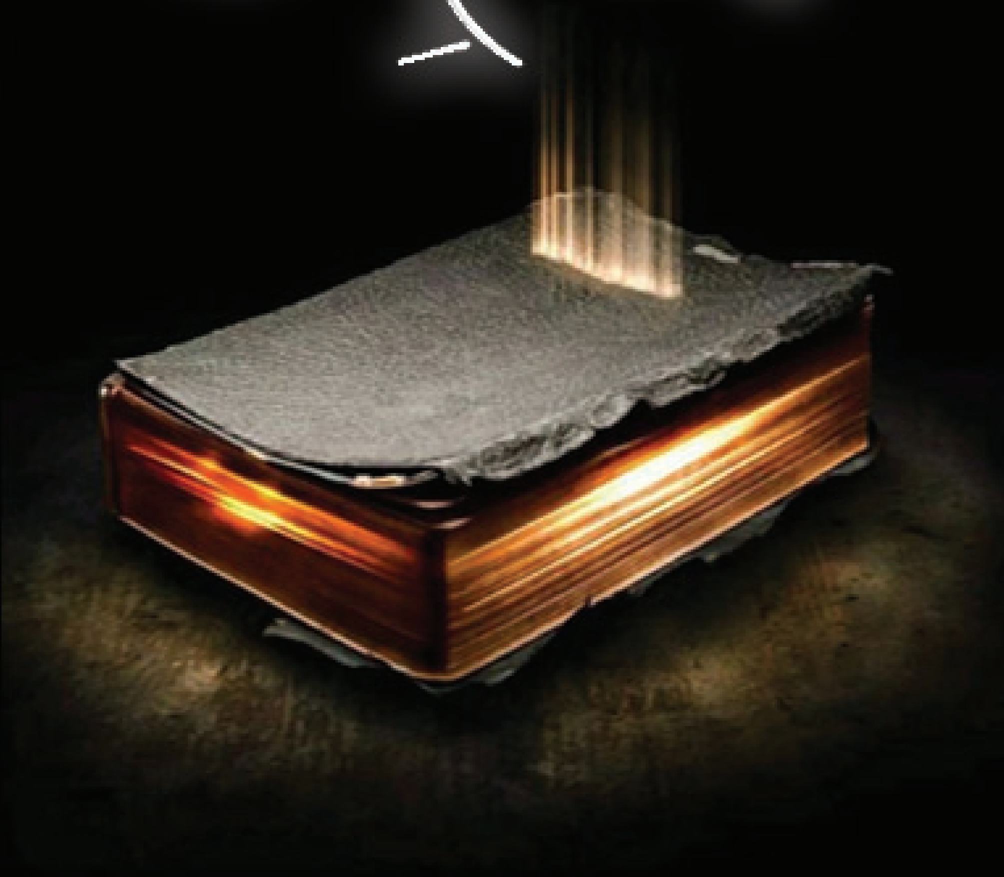
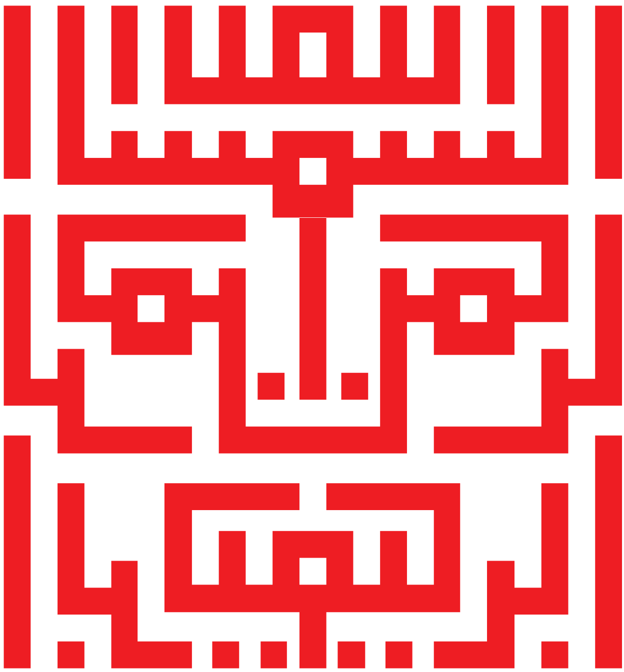
چراغِ حرف



شاہ علی خان ہمدم



شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

چراغِ حرف

پندرھواں مجموعۂ کلام

ہاشم علی خان ہمدمؔ

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام

https://archive.org/details/@nzkiani

nzkiani@gmail.com

تعارف

نام	: ہاشم علی خان ہمدمؔ
ولدیت	: زمرد خان
تاریخ پیدائش	: ۷؍جولائی ۱۹۷۳ء
تعلیم	: ایم اے اردو، ایم اے انگریزی، بی ایڈ (پنجاب یونی ورسٹی لاہور)
جائے پیدائش	: خودہ شریف تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک
پیشہ	: درس وتدریس
سرکاری ملازمت	: اسسٹنٹ پروفیسر (اردو) ایف جی ڈگری کالج واہ کینٹ
ادبی خدمات	: بانی و منتظم موج غزل ادبی فورم (فیس بک)
اصناف سخن	: حمد، نعت، غزل، نظم، سلام، منقبت، طنز ومزاح
تصانیف	: ۱۔موجِ کرم (حمد ونعت)
	۲۔ پانچواں موسم (غزلیات)
	۳۔آئینہ سچ بولتا ہے (غزلیات)
	۴۔موج غزل (طرحی غزلیات)
	۵۔محبت کی زباں (طرحی غزلیات)
	۶۔دھوپ کی دیوار (طرحی غزلیات)

۷۔ چراغِ فکر (طرحی غزلیات)

۸۔ جہانِ خواب (طرحی غزلیات)

۹۔ چشمِ تماشا (طرحی غزلیات)

۱۰۔ سراب سے آگے (طرحی غزلیات)

۱۱۔ تیسرے کنارے پر (طرحی غزلیات)

۱۲۔ آدھا سفر (طرحی غزلیات)

۱۳۔ نمودِ سحر (طرحی غزلیات)

۱۴۔ آخری چراغ (غزلیات)

۱۵۔ چراغِ حرف (غزلیات)

۱۶۔ غزل پوش (غزلیات)

۱۷۔ دم (دیوان)

۱۸۔ سبیلِ کرم (نعتیہ مجموعہ)

۱۹۔ طیبۂ جاں (نعتیہ نظمیں)

۲۰۔ خواب سراب (نظمیں)

۲۱۔ روشنی کے پھول (سلام و مناقب)

۲۲۔ سیلفیاں (طنز و مزاح)

پتہ : خودہ شریف، تحصیل حسن ابدال، ضلع اٹک۔

فون نمبر : 0311-5509555

انتساب

ادب کے نام پر

زندگی

پڑھانے والوں کے نام

چراغِ حرف لیے روشنی دکھاتے ہیں
ادب کے نام پہ ہم زندگی پڑھاتے ہیں

کتاب: چراغِ حرف
شاعر: ہاشم علی خان ہمدمؔ
پتہ: خودہ تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک
itshamdam@gmail.com
0311-5509555
سنِ اشاعت: سنہ ۲۰۲۴ء
ایڈیشن: اوّل (برقی اشاعت)
سرورق: نوید ظفرؔ کیانی
ناشر: مکتبۂ ارمغانِ ابتسام، اسلام آباد
قیمت: دعائیں
ویب سائٹ لنک: archive.org

فہرست

پیش رس

چراغِ حرف لیے روشنی دکھاتے ہیں
ادب کے نام پہ ہم زندگی پڑھاتے ہیں
ہم اہلِ درد، زمانے کا حسن، شاعر لوگ
ہمارے خواب نئی بستیاں بساتے ہیں

چراغِ حرف علم کا ستارا اور روشنی کا استعارہ ہے جو کتابِ زیست میں الف کے نور سے کشیدہ وجدان کا دھارا ہے۔ انسانی شعور نے تہذیب کے سفر میں اسی نورِ بصیرت سے استفادہ کیا ہے۔ انسان سماجی بندھن میں احساس جمال سے زندگی ترتیب دیتا ہے۔ زبان سماجی شعور کا آئینہ ہے جس میں احساسات، جذبات اور ضروریات کا خوب صورت امتزاج نقش ہوتا ہے۔ آئینۂ حیات سے جمالیاتی رنگ منعکس ہوتے ہیں تو انسان من پسند خواب تعبیر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ زندگی گزارنے کا بہترین انداز ادب ہے۔ ادب کے سوتے انسان کے شعور سے پھوٹتے ہیں۔ انسانی جذبات اور احساسات جمالیاتی ڈھنگ سے موسیقی، مصوری، شاعری اور دیگر فنونِ لطیفہ میں خوب

صورت وجود پاتے ہیں۔ادبی رویے انسان کی سماجی ضروریات اور نفسیاتی کش مکش سے تشکیل پاتے ہیں۔ادب تعلیم،تربیت،ثقافت اور ترقی کی بنیاد ہے۔ادب خواب دیکھنا سکھاتا ہے اور خواب ہی ناممکن تصورات کو حقیقت بنانے کا اولین محرک ہے۔خواب دیکھتی آنکھیں کبھی مایوس نہیں ہوتیں۔خواب دیکھنے والے نئے راستے متعین کرتے ہیں اور اپنے پیش روز مانے کے لیے روشن نقش چھوڑتے چلے جاتے ہیں۔کتابِ زیست میں الف کا نور اپنی تاب ناک کرنوں سے زمانہ در زمانہ کھل رہا ہے۔ہر دور کا رنگ پہلے سے زیادہ حسین اور روشن نظر آتا ہے۔عظیم لوگ الف کے نور سے معراج پاتے ہیں۔یہ وہ روشنی ہے جو انسان کو مایوس نہیں ہونے دیتی اور وہ خوابوں کی تعبیر کے سفر پر نئی سے نئی ایجادات کرتا کائنات کے سربستہ راز کھولتا چلا جاتا ہے۔انسانی عظمت کا سفر ہی منشائے تخلیق کائنات ہے۔علم کا رستہ ہی انسان کی ترقی اور عروج کا رستہ ہے۔ادب کے نام پہ زندگی پڑھانا ہی اہل علم کا منصب ہے۔آدم علیہ السلام سے لے کر ہر صاحبِ عِلم نے زندگی کا درس دیا ہے۔چراغ حرف انھی مینارہء نور اہل علم اور اہل ادب کے نام ہے۔

مجھے زندگی پڑھانے والوں میں میرے والدین،میرے بھائی،میری بہنیں،میری شریک حیات،میرے بچے،میرے بزرگ،مرے پیر و مرشد،میرے اساتذہ اور میرے دوست شامل ہیں۔میں ان سب کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ان کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

میرے والد زمرد خان مرحوم ومغفور اور والدہ صاحبہ عجائب سلطان (اللہ ان کا سایہ ہم پہ ہمیشہ قائم رکھے۔آمین) نے ہم چار بھائیوں اور تین بہنوں کی تربیت میں بنیادی کردار ادا کیا۔والد صاحب ایک کارخانے میں مزدور تھے اور ساتھ ساتھ زمیں دار بھی تھے۔بچپن میں کاشتکاری بھی سیکھی مگر والد صاحب نے تعلیم پر توجہ دینے کی نصیحت کی اور تمام وسائل مہیا کیے۔بہت محبت سے اچھا لباس اور اچھی خوراک مہیا کرتے تھے۔میلوں ٹھیلوں سے لائی گئی مٹھائی اور چلغوزے اب بھی یاد ہیں۔والدہ صاحبہ نے مشکل حالات میں ہمیشہ حوصلہ افزائی کی۔آج بھی ان کے پاؤں چوم کر گھر سے نکلنا مجھے تحفظ کا احساس دلاتا ہے۔چچا جان خان بہادر نے بھرپور محبت دی اور ان کی رہنمائی میں تعلیم کا سلسلہ مکمل کیا۔دادا جان خان زمان مرحوم بہت محبت کرنے والے باوقار اور لجپال انسان تھے۔دادی جان وہاب جی مرحومہ میرے خاندان کے نیک اور تعلیم یافتہ بزرگ شہنچی خان مرحوم کی بیٹی تھیں جو مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں۔سات سال کی عمر میں مجھے پیرومرشد امام علی اصغر شاہ سرکار کے پاس لے گئیں کہ میرے لیے دعا کریں کہ کچھ پڑھ لوں۔ان کے دستِ شفقت اور نظر کرم سے علم کی طرف راغب ہوا تو ایک کامیاب اور رلائق طالب علم کے طور پر نام کمایا۔یہ فیض آج بھی جاری وساری ہے اور میں علم کا پیاسا طالب علم ہوں۔میرے بھائیوں اور بہنوں نے ہمیشہ مجھے بہت محبت دی اور انتظامی معاملات میں مجھے خود مختار بنایا۔طویل بیماری کے دوران بہنوں کی محبت کو فراموش نہیں کرسکتا۔میری کامیابی میں والدین کی دعا کے بعد بہنوں کی

دعائیں میرا سرمایہ ہیں۔ میرے بڑے بھائی لیاقت علی خان پاک فوج میں حوالدار رہے ہیں۔ ان کی محبت اور شفقت مجھے والد کی کمی محسوس نہیں ہونے دیتی۔ وہ میرے بچوں کے محبتی تایا جان ہیں۔ چھوٹے بھائی وحید اختر یوٹیلٹی سٹور کارپوریشن میں باعزت مقام پر ہیں۔ بہت سخی اور زندہ دل انسان ہیں جن کا پیار میرے اور میرے بچوں کے لیے قیمتی تحائف سے جھلکتا ہے۔ ہمیشہ اپنی پسند پر ہماری پسند کو ترجیح دیتے ہیں۔ چھوٹے بھائی کا یہ ایثار میرے لیے زندگی کا ایک حسین سبق ہے۔ سب سے چھوٹا اور لاڈلا بھائی احمد علی خان ہے جو پاک فضائیہ میں خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ وہ میرے ہاتھوں میں کھیلا، پلا بڑھا اور میری نگرانی میں ایک لائق طالب علم کے طور پر کامیابی حاصل کی۔ بہت فرماں بردار اور محبت کرنے والا انسان ہے۔ میری شریک حیات عاصمہ شاہین میرے دکھ سکھ کی ساتھی ہیں۔ ہر مشکل میں میرا حوصلہ بڑھاتی ہیں۔ بچوں کی پرورش میں دل جمعی اور انتھک محنت سے اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔ پیشہء تدریس سے وابستگی نے اسے ایک باعمل اور بہادر خاتون کے طور پر بچوں کے لیے رول ماڈل بنا دیا ہے۔ ایم اے اردو ہونے کے باوجود ادب سے دل چسپی تو نہیں مگر کبھی میری ادبی سرگرمیوں میں رکاوٹ نہیں بنیں۔ میری کامیابی کا سہرا انھی کے سر ہے۔ میرے سسر غلام حسین صاحب نیک اور تعلیم یافتہ انسان ہیں جن سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ میری ساس صاحبہ میری ماں کی طرح ہیں جنھوں نے میرے بچوں کی تربیت میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کی دعا بھی سرمایہء حیات ہے۔ میرا بڑا بیٹا صائم علی

خان اسم با مسمّٰی ہے اور بہت صابر ہے۔اس سے چھوٹی بیٹی رابیل حجاب میری آنکھ کا تارا ہے جس کی محبت اور پیار میرا سرمایہ ہے۔منجھلا بیٹا محمد دائم علی خان کم گو مگر بہت ذہین اور لائق طالب علم ہے۔انتہائی فرماں بردار اور خود دار ہے۔سب سے چھوٹا لاڈلا بیٹا راحم علی خان ہے جو گھر کی رونق اور اپنی خوب صورت اردو زبان میں منفرد ہے۔پنجابی میں کی گئی بات کا جواب بھی اردو میں دینا اس کا خاص وصف ہے۔ہندی کے خوب صورت الفاظ کا استعمال بہت مہارت سے کرتا ہے۔اس کی گفتگو میں ادب کی چاشنی مجھے سرشار رکھتی ہے۔

درس و تدریس کا پیشہ میرے لیے اعزاز ہے۔میں اپنی زندگی کے شب و روز میں علم سے وابستگی پر نازاں ہوں۔میں اپنے والدین اور اساتذہ کا شکر گزار ہوں کہ جن کی دعا اور راہنمائی میرے لیے مشعل راہ ہے۔ناظرہ قرآن اور نماز کے ساتھ دین کی بنیادی تعلیم حافظ غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم و مغفور سے حاصل کی۔پرائمری سکول کے اساتذہ کے لیے دعا گو ہوں جنھوں نے پہلی جماعت میں ہی درسی کتب کے ساتھ اضافی کتب پڑھنے کی ترغیب دی۔سکول لائبریری میں موجود صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کی کتاب ''لال بجھکڑ'' شاعری کی پہلی کتاب تھی جو پہلی جماعت میں ہی پڑھنے کا موقع ملا۔درسی کتاب میں شامل نظمیں تحت اللفظ اور ترنم سے پڑھنے کے شوق نے ادبی ذوق عطا کیا۔پرائمری سکول کی لائبریری میں موجود بہت سی کتب پڑھنے کا موقع ملا۔سکول اور کالج میں اردو پڑھانے والے اساتذہ کو خراج عقیدت پیش کرتا ہوں کہ جنھوں نے قلم

پکڑنا لکھنا اور پڑھنا سکھایا۔سکول اساتذہ میں سید حنیف شاہ صاحب،سید کرامت حسین شاہ صاحب،سید فرحت علی شاہ صاحب،عبدالمناف صاحب مرحوم،ملک امانت خان صاحب مرحوم، خالد محمود صاحب،محب حسین شاہ صاحب،ملک صداقت خان صاحب،محسن ظفر صاحب مرحوم،سید خیر حسین شاہ صاحب،عبدالمالک صاحب، ہادی حسین شاہ صاحب، ارشد محمود صاحب،سید الطاف حسین شاہ صاحب مرحوم، اختر محمود صاحب،سید لطف علی شاہ صاحب،سید ہادی حسین شاہ صاحب،آغا صاحب، پی ٹی آئی محمد اعجاز صاحب مرحوم،محمد اسلم صاحب،شوکت محمود صاحب، میاں محمد صاحب مرحوم،امتیاز احمد قریشی صاحب مرحوم،آفتاب اعوان صاحب، عقیق احمد صاحب مرحوم،عبداللہ شاہ ہاشمی صاحب اور کالج اساتذہ پروفیسر انور جلال صاحب مرحوم، پروفیسر انور علی بیگ صاحب، پروفیسر عبدالکریم صاحب، پروفیسر عزیز الرحمن صاحب، پروفیسر فیروز جنگ خٹک صاحب مرحوم، پروفیسر طارق محمود اعوان صاحب، پروفیسر طارق نعمانی صاحب، پروفیسر غلام مصطفیٰ کیانی صاحب، پروفیسر عبدالغفور صاحب، پروفیسر فریاد حسین ترمذی صاحب، پروفیسر منہاج الدین صاحب مرحوم، پروفیسر انعام صاحب، پروفیسر شریف خان صاحب اور پروفیسر محمد اسلم صاحب اور جن کے مکمل نام مجھے یاد نہیں ہیں سب کو خراج عقیدت پیش کرتا ہوں کہ جنھوں نے زندگی گزارنا سکھایا۔

تربیت اساتذہ کے ادارے سے وابستہ ہوا تو تربیت کار اساتذہ نے فکری تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔محترم اکرم ضیا صاحب،محترم محمد علی جوہر صاحب،محترمہ جبیں

کوثر کھوٹ صاحبہ، محترم منصور صاحب، ڈی ایس ڈی لاہور میں جناب عظمت صدیق صاحب اور جناب محمد یعقوب صاحب کی رہنمائی مشعلِ راہ ہے۔ اساتذہ کے ساتھ ساتھ رفقائے کار اساتذہ امجد محمود صاحب، مقدس خان صاحب، مشتاق احمد خان صاحب، محمد فیاض صاحب، حسن دین صاحب، مسرور احمد صاحب، محترمہ کبریٰ بی بی صاحبہ، عرفان چیمہ صاحب، ریاض خان صاحب، سلیم ظفر صاحب، آصف محمود صدیقی صاحب، ناصر جاوید صاحب، محمد احمد صاحب، ایاز اختر خان صاحب، عمران امانت صاحب، ملک رفیق صاحب، طارق محمود صاحب، شاذیہ اکبر صاحبہ، بابر علی خان صاحب، ممتاز خان صاحب، ملک فیصل محمود صاحب، اعجاز خان صاحب، ملک مدثر حسن صاحب، سیرت الکبریٰ صاحبہ، زاہدہ پروین صاحبہ، رضوانہ شاہین صاحبہ، شگفتہ پینزئی صاحبہ، آصف محمود صاحب، شکیل احمد صاحب، مجبوب الرحمن صاحب، شیراز خان صاحب، ارشد خان صاحب، عظیم خان صاحب، اقبال خان مرحوم، مشتاق احمد صاحب، ملک مظہر خان صاحب، محمد اقبال صاحب، امیر افضل صاحب، انفطار حسین صاحب، صاحبزادہ ارشد محمود صاحب، عبدالمالک قریشی صاحب اور بہت سے دیگر اساتذہ کے ساتھ زندگی کا سفر سبق آموز رہا۔

ایف جی ای آئی کینٹ اینڈ گیریژن میں درس و تدریس کا آغاز بہ طور لیکچرار اردو کیا۔ پہلی تعیناتی جنوری ۲۰۱۳ء کو ایف جی سر سید کالج راول پنڈی میں ہوئی جہاں اردو پڑھانا سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ کالج میں پہلا دن ہی میرے لیے باعث

اعزاز ہے کہ میں نے اسی دن سبک دوش ہونے والے استاد ڈاکٹر آل اظہر انس کی نشست سنبھالی جو اچھے استاد، شاعر، ادیب اور روحانی پیشوا ہیں۔ پرنسپل پروفیسر خالد ظریف، پروفیسر ڈاکٹر بلال سہیل، پروفیسر ڈاکٹر مظہر اقبال کیف، پروفیسر خورشید احمد، پروفیسر غیاث الدین، پروفیسر ریحان، پروفیسر خلیل ابراہیمی، پروفیسر عرفان خان صاحب (جو آج کل ایف جی ڈگری کالج واہ کینٹ میں میرے پرنسپل ہیں)، پروفیسر حافظ عبدالرشید مرحوم، پروفیسر انوار الاسلام، پروفیسر ندیم اعظم، پروفیسر عبد اللہ نیازی، پروفیسر عبدالرزاق، پروفیسر علی تقوی، پروفیسر ارشد محمود اعوان مرحوم اور بہت سے دیگر قابل اور صاحب فکر اساتذہ کے ساتھ کام کرتے ہوئے بہت کچھ سیکھا۔ ۲۰۱۴ء میں میرا تبادلہ ایف جی ڈگری کالج واہ کینٹ میں ہوا جہاں اب تک پڑھا رہا ہوں۔ اس دور کو اپنی زندگی کا سب سے قیمتی دور سمجھتا ہوں جہاں اہل ادب اور اہل فکر و دانش کی خوش بو سے معطر علمی و ادبی فضا میرے لیے روحانی تسکین کا باعث ہے۔ گوشہ ادب کالج لائبریری سے منسلک ہے جہاں کئی اہل ادب کی یاد بسی ہے۔ جلیل عالی، رؤف امیر، ڈاکٹر سلمان باسط، ڈاکٹر رشید امجد، ایس اے علوی اور رنجا نے کتنے ہی صاحب علم و دانش اس کالج کی فضا کو معطر کر گئے۔ اس کالج سابقہ پرنسپل پروفیسر ڈاکٹر خان محمد، سابقہ پرنسپل پروفیسر زہرا جبیں صاحبہ اور موجودہ پرنسپل پروفیسر عرفان خان صاحب میرے لیے مشعل راہ ہیں، شعبہ اردو میں پروفیسر ڈاکٹر اسد مصطفیٰ، پروفیسر عبدالمنان، پروفیسر یوسف خان اور پروفیسر ڈاکٹر ضیا الدین (جو آج کل ایف جی قائد اعظم کالج چکلالہ میں

تعینات ہیں) میرے رفیق کار ہیں۔شعبۂ انگریزی میں پروفیسر حمایت علی بلوچ، پروفیسر محمد ادریس جنجوعہ، پروفیسر مبشر ریاض، پروفیسر شعیب نعیم، پروفیسر محمد ریاض (جو اب ایف جی سائنس ڈگری کالج میں تعنیات ہیں) سے بہت اہم فکری رہنمائی ملی اور علمی او ادبی مباحث روز کا معمول ہیں۔شعبۂ ریاضی میں پروفیسر طاہر محمود (جو اب ایف جی ڈگری کالج اوکاڑہ میں ہیں)، پروفیسر خالد محمود (جو اب ملٹری کالج جہلم میں تعنیات ہیں)، پروفیسر زاہد محمود، وائس پرنسپل پروفیسر محمد زاہد بسرا۔ پروفیسر عمر اور پروفیسر حفیظ الرحمن سے بھی بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔شعبۂ اسلامیات میں پروفیسر مفتی حافظ محمد یوسف اور پروفیسر جمشید خان صاحب سے دینی موضوعات پر بہترین رہنمائی ملتی ہے۔شعبۂ طبیعات میں پروفیسر زاہد الرحمن، پروفیسر میاں عباس اور پروفیسر آغا محمد شاہ سے بہت مفید رہنمائی ملتی ہے۔شعبۂ کیمیا میں پروفیسر امجد کریم اور پروفیسر زعفران صاحب سے شگفتہ گفتگو ہوتی ہے۔شعبۂ کمپیوٹر سائنس میں آصف محمود فیصل (جو آج کل ایف جی انٹر کالج کوٹلی میں ہیں)، مرزا جاوید اقبال (جو آج کل ڈائریکٹر کالجز ایف جی ڈائریکٹریٹ اسلام آباد ہیں) اور پروفیسر ظفر صدیقی سے بہت کچھ سیکھا ہے۔شعبۂ حیاتیات میں پروفیسر ڈاکٹر انوار الاسلام (ریٹائرڈ)، پروفیسر قسور عباس (آج کل پنجاب گورنمنٹ کالج بھکر میں ہیں)، پروفیسر خالد کاظمی (آج کل ایف جی سائنس ڈگری کالج واہ کینٹ میں ہیں) اور پروفیسر شبر نذیر (حال ہی میں ریٹائر ہوئے ہیں) سے بہت اچھی ہم آہنگی رہی ہے اور بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔شعبۂ مطالعہ پاکستان اور

تاریخ میں پروفیسر محمد اقبال صاحب (آج کل ایف جی ڈگری کالج گوجرانوالہ میں پرنسپل ہیں)، پروفیسر ازہر قیصر (آج کل ایف جی سائنس ڈگری کالج میں پرنسپل ہیں) اور پروفیسر محمد عثمان سے تاریخ اور ملکی حالات پر بہت مفید رہنمائی ملتی رہی ہے۔ کالج لائبریری میں احمد نواز صاحب سے بہت اچھا تعلق رہا۔ کالج میں ہر دل عزیز پروفیسر نور محمد کھیلوں اور ہیلتھ اینڈ فزیکل ایجوکیشن کے انچارج ہیں۔ ان سے بہت اچھے موضوعات پر گفتگو ہوتی ہے۔ پروفیسر عمران خان صاحب شعبۂ شماریات کی روح رواں ہیں۔ ان سے بہت اچھی دوستی ہے اور قدم قدم پہ زندگی سے بھرپور جذباتی ہم آہنگی نے زندگی کے سفر کو حسین بنا رکھا ہے۔

ادبی میدان میں بہت سے شعرا اور ادیب ساتھی میسر آئے جن سے بہت کچھ سیکھا۔ اوّلین ادبی تنظیم قندیل ادب اٹک میں ۱۹۹۵ء میں شامل ہوا۔ اس خوب صورت ادبی تنظیم کے اجلاس باقاعدہ ہوا کرتے تھے۔ وقار احمد آس مرحوم و مغفور کے توسط سے پروفیسر نصرت بخاری، پروفیسر ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد (آج کل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد میں صدر شعبۂ اُردو ہیں)، شاکر القادری، سید ثقلین حسین شاہ، خالد بے زار، طاہر اسیرؔ، مطلوب حسین طالبؔ، حکیم خان، نزاکت علی نازکؔ، اقبال اشعرؔ، حسین امجد، لیاقت مجاز اور عرفان عرفی سے شناسائی ہوئی اور شاعری کا سفر ترقی پزیر رہا۔ حضرو سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر خاور چودھری، احمد عقیل اور فائق ترابی سے اچھی دوستی ہے۔ کامرہ میں حافظ عبدالغفار واجد، توصیف علوی، عقیل ملک اور عصمت نیازی

اچھے دوست ہیں۔

عثمان کھٹڑ سے تعلق رکھنے والے پیارے دوست راکب محمود راجا سے قلمی دوستی گہری محبت اور دوستی میں ڈھلتی گئی۔حلقہء تخلیق ادب ٹیکسلا کے دوستوں سے ملاقات راکب راجا کی شادی میں مشاعرہ کے دوران ہوئی۔نوشیروان عادل جو راکب راجا کے بھائی ہیں بہت اچھے شاعر ہیں محبت سے ملے۔پروفیسر رؤف امیر مرحوم،رانا سعید دوشی، حفیظ اللہ بادل، علی یاسر،شمشیر حیدر،احمد ابرار،افضل گوہر اور طارق بصیر سے بھی وہیں ملاقات ہوئی۔بعد ازاں ٹیکسلا اور واہ کینٹ کے معروف شعرا عارف سیمابی، طالب انصاری،شہزاد عادل،امجد شہزاد،مظہر حسین سید،عصمت حنیف،حسن جمیل،محمود ساجد، وحید ناشاد،عامر آزاد،سعید سادھو،شکیل شاکی،محمد عارف،صدام حسین فدا،شاہد صابری، عارف قادری مرحوم،شعیب ہمیش مرحوم،شعیب خان،شفقت حیات،شاہد محمود قاسمی،ملک خالد محمود،ملک جاوید،نزاکت علی مرزا اور بہت سے دیگر احباب سے ادبی روابط نے میری شعری پرداخت کو نمو بخشی۔حسن ابدال میں قیصر ابدالی مرحوم،ڈاکٹر ذوالفقار دانش مرحوم ،طارق سلطان پوری مرحوم اور صدیق صابر مرحوم کے ساتھ بہت اچھا ادبی تعلق رہا۔محفل نعت حسن ابدال کے باقاعدہ نعتیہ مشاعروں کا ماہانہ سلسلہ ڈاکٹر ذوالفقار دانش نے شروع کیا تھا جو ابھی تک جاری ہے اور حافظ عبدالغفار واجد اسے بہت محنت اور لگن سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔اس بابرکت صدقہء جاریہ میں ڈاکٹر ذوالفقار دانش کے بھائی ملک ناظم محمود،ملک مبشر محمود اور ان کا خاندان دل وجان سے شریک

ہے۔محفل نعت کے توسط سے کئی نعت گو شعرا کے ساتھ ادبی رابطہ ہوا جو میرے لیے بہت مفید رہا اور میں باقاعدہ نعت گوئی کی طرف مائل ہوا۔آصف محمود قادری ،وقار عالم جدون ،ملک شاہد محمود اعوان ،اسلم ساگر ،ابرار نیئر اور دیگر شعرا سے مفید ادبی روابط ہیں۔حسن ابدال میں دلاور علی آزر ،پروفیسر ظہیر قندیل ،پروفیسر ضیا المصطفیٰ ترک ،نیئر سیف ،شاہ جہاں سالف ،سائل بٹ ،کامران ساگر ،طاہر تنولی شفیق شہزاد ،قیصر دلاور جدون ،راجا نور محمد نظامی (جو بھوئی گاڑ میں تاریخی نوادرات اور کتب خانے کے مالک ہیں)،کفایت اعوان مرحوم ،ملک آصف محمود ایڈووکیٹ ،احمد افتخار ،آصف محمود اور دیگر ادبی شخصیات سے اچھا تعلق رہا ہے۔میرے عزیز عارف محمود بادل بہت اچھے شاعر ہیں۔برہان سے تعلق رکھنے والے نعت گو شاعر ظفر برہانی مرحوم سے محفل نعت حسن ابدال میں بہت اچھا تعلق رہا۔عنصر محمود قادری اور صابر حسین شاہ برہان سے تعلق رکھتے ہیں جن سے میرا بہت اچھا ادبی اور دوستانہ تعلق ہے۔

حسن ابدال میرا قریبی شہر ہے جہاں میں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور سماجی روابط میں میرے سکول دور کے قریبی دوست یہیں سے تعلق رکھتے ہیں۔میٹرک میں شاہد محمود فاضل ،ملک حسرت محمود ،سبط الحسن ،پروفیسر خالد خٹک ، پروفیسر قاضی محمد الیاس ،ظفر اقبال ،ساجد محمود ،عاصم محمود ،زاہد محمود محمد عرفان ،سید امجد حسین شاہ اور بہت سے دوست میرے بچپن کے دوستوں ساجد علی اور گل فراز کے ساتھ میرے ہم جماعت رہے جن سے میں نے محبت ،دوستی ،وفا اور زندگی گزارنے کا سلیقہ

سیکھا۔گورنمنٹ کالج اٹک میں محبوب الرحمن، جمیل خٹک، حافظ احسان، ڈاکٹر نوید ظفر، عبدالقدیر اور ناصر محمود جیسے اچھے دوست میرا سرمایہءحیات ہیں۔میرے خالہ زاد محمد سرفراز اور صداقت علی مرحوم، میرے اچھے دوست رہے ہیں۔سید اقدس حسین شاہ، سید افضال حسین شاہ میری اچھے احباب میں شامل ہیں۔محمد صابر، نزاکت علی اور محمد بشیر میرے کرکٹ ٹیم کے اچھے دوست رہے ہیں۔میرے سکول کے دوست صداقت علی، ریشم زمان، لیاقت علی، محمد طاہر، سلطان محمود اور عمر حیات میرے اچھے دوست رہے جن کے ساتھ اچھا وقت گزرا۔خاص طور پر ساجد علی میرا بہترین دوست ہے جو اب حسن ابدال میں رہائش پزیر ہے مگر میرے دل میں بستا ہے۔ارشد محمود مرحوم جو نوجوانی میں ٹریفک حادثے میں چل بسا میرا بہت اچھا دوست تھا جسے میں نہیں بھلا سکتا۔میری ابتدائی شاعری کو سر اور میوزک سے مزین کرتا ارشد دیکھتے ہی دیکھتے بچھڑ گیا۔

علمی و ادبی دوستوں کے ساتھ ساتھ، دینی، سماجی اور سیاسی شخصیات کی ایک طویل فہرست ہے جن سے میں نے قدم قدم بہت کچھ سیکھا۔سماجی ذرائع ابلاغ خاص طور پر فیس بک پر نامور ادبی دوستوں کا سلسلہ پوری دنیا میں پھیل چکا ہے جن سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔نوید ظفر کیانی، روبینہ شاہین بینا، نادیہ سحر، جیا قریشی، افروز رضوی، شہناز رضوی، نور جمشید پوری، قدسیہ ظہور، ہما خان، ذہینہ صدیقی، ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی مرحوم، نسیم شیخ، غضنفر علی، شعیب خان، ایاز مفتی، ایم زیڈ کنول، زبیر قیصر، ڈاکٹر عزیز فیصل، ڈاکٹر افتخار الحق، افتخار حیدر، رحمن حفیظ، ارشد ملک، ڈاکٹر عارف فرہاد، رفعت وحید، شاذیہ اکبر

،ڈاکٹر فرحت عباس، نصرت یاب خان، فخر خان، شوکت کمال رانا، اعجاز خان ساحر، قیوم طاہر، نوید ملک، ماجد جہاں گیر، عمران عامی، عزیز طارق محمود ناصر، رضا طیبی، زہرا بتول، رابعہ بصری، طاہر حنفی، علی اصغر ثمر، ڈاکٹر وحید احمد اور بے شمار شعرا اور ادبا سے سماجی روابط کے تحت بہت کچھ سیکھ رہا ہوں۔ بہت سے نام ایسے ہیں جو دم تحریر یاد نہیں رہے۔

المختصر میرے ہر عزیز، دوست، شاعر اور استاد نے قدم قدم فکر و دانش کے سفر پر میری رہنمائی کی ہے۔ اللہ سب کو سلامت رکھے اور جو دارِ فانی سے کوچ کر چکے ہیں۔ ان کے لیے دعا ہے کہ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے اور مجھے بھی اپنے فرائضِ منصبی ادا کرنے میں اپنے اساتذہ کی خوبیاں اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کتابِ زیست کے پہلے سفیر ہیں ہمدؔم
الف کے نور سے دل کا دیا جلاتے ہیں

زیرِ نظر شعری مجموعہ ''چراغِ حرف'' غیر طرحی غزلیات پر مشتمل ہے۔ جس کی برقی اشاعت کا اہتمام موج غزل کے منتظمین نوید ظفر کیانی اور روبینہ شاہین بینا نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس ادبی سفر میں ہمیں کامیاب اور بامراد فرمائے۔ آمین۔

ہاشم علی خان ہمدؔم

۱۰ مارچ ۲۰۲۴ء

چراغِ حرف لیے روشنی دکھاتے ہیں
ادب کے نام پہ ہم زندگی پڑھاتے ہیں

ہم اہلِ درد، زمانے کا حسن، شاعر لوگ
ہمارے خواب نئی بستیاں بساتے ہیں

ہمارا کام جنوں سے خرد ملانا ہے
شعور، فکر، عمل، آگہی میں لاتے ہیں

شعورِ متن، سیاق و سباق رکھتا ہے
یہی ہے علم کی منطق، یہی سکھاتے ہیں

ہمیں جو خاک ملی ہے، ہمارا ورثہ ہے
اسی خمیر سے اپنا بدن اٹھاتے ہیں

ہماری لے میں رچاؤ ہے پاک دھرتی کا
ہم اپنی سر میں محبت کے گیت گاتے ہیں

کسی نمود کی خواہش اڑان بھرتی ہے
ہمارے گھر میں پرندے شجر اگاتے ہیں

ہمارے در سے ابھرتا ہے صبح کا سورج
ہماری شام سے تارے وجود پاتے ہیں

اسی کی دھول سے کھنچتا ہے زاویہ دل کا
ہم عزمِ نو سے جو نقشِ کہن مٹاتے ہیں

ہم اہلِ غم کے مسیحا، دکھوں کے چارہ گر
شکستہ جسم اٹھاتے ہیں، پھر بناتے ہیں

فلک سے ہم پہ اترتی ہے فصلِ لالہ وگل
زمین رزق اگلتی ہے ، ہم کماتے ہیں

ہمارا عزم حسینیؑ ہے ، جوش حیدرؓ سا
ہم اہلِ صبر و رضا کربلا سے آتے ہیں

ہمیں نصیب فقیروں کی خاص مسند ہے
ہم اپنے در پہ چراغوں کی لو بڑھاتے ہیں

ہماری سبز خیالی نہال رکھتی ہے
ہمارے کھیت دلوں کی کلی کھلاتے ہیں

ہم اپنی قوم کی آنکھوں کا خواب ہیں ہم سے
جہانِ نو کے دریچے بھی مسکراتے ہیں

ہیں راہ حق کے مجاہد ، وطن کی خاطر ہم
قدم قدم پہ وفا کا علم اٹھاتے ہیں

مرصّع ساز، بصیرت نواز، کوزہ گر
ہم اہلِ علم و ہنر کیا کمال پاتے ہیں؟

ہم اہلِ دل ہیں محبت بھرے کلیشے میں
جدید اردو زباں کی مٹھاس لاتے ہیں

کتابِ زیست کے پہلے سفیر ہیں ہمدمؔ
الف کے نور سے دل کا دیا جلاتے ہیں

کیا ہوا ہے؟ کب ہوا ہے؟ جا نچتے ہیں، سوچتے ہیں
یہ تماشا چند شاعر دیکھتے ہیں، سوچتے ہیں

زندگی کے مسئلے پر بات کرنا لازمی ہے
آؤ ! تھوڑی دیر، مل کر بیٹھتے ہیں ، سوچتے ہیں

در کھلا، دیوار کیا ہے؟ پیش منظر، پار کیا ہے؟
آئنے سے اپنے بارے پوچھتے ہیں ، سوچتے ہیں

لال بتی جل رہی ہے، جس پہ دنیا چل رہی ہے
بے سبب خواہش کے پیچھے بھاگتے ہیں، سوچتے ہیں

دائروں میں نقش کیا ہے؟ زاویوں میں عکس کیا ہے؟
آڑھی ترچھی کچھ لکیریں کھینچتے ہیں، سوچتے ہیں

خواب جیسے کچھ ستارے اور پیارے کھو گئے ہیں
کیا زمیں سے آسماں تک ڈھونڈتے ہیں، سوچتے ہیں

نام اور کردار کیا ہے؟ ربط، منظر، وقت کیا ہے؟
آؤ! ہم ساری کہانی کھولتے ہیں، سوچتے ہیں

کیا کسی کا گھر نہیں ہے؟ یا کوئی اپنا نہیں ہے
کچھ پرندے بے شجر کیوں بیٹھتے ہیں؟ سوچتے ہیں

عشق کا دریا وہی ہے، راستہ دل کا وہی ہے
اب کسی پکے گھڑے پر تیرتے ہیں، سوچتے ہیں

کب تلک یوں دوریوں کی تیرگی میں ہم رہیں گے
ہجر کی اندھی گلی کو ماپتے ہیں، سوچتے ہیں

دشت اور پاتال کیا ہے؟ دلدل و سیال کیا ہے؟
گہرے دریا میں خزانہ کھوجتے ہیں، سوچتے ہیں

ہے خیالِ یار ہر دم، شعر کا معیار پیہم
بے ارادہ جس کو ہر پل سوچتے ہیں، سوچتے ہیں

کٹ رہے ہیں جبر کی تلوار پر جب لوگ ہمدؔم
کیوں محبت کی زباں ہم بولتے ہیں؟ سوچتے ہیں

یہ کون رو برو ہوا خیال ہی خیال میں
بدل رہا ہے آئنہ خیال ہی خیال میں

گمان سے یقین تک، یقین سے گمان تک
کہاں کہاں پہنچ گیا؟ خیال ہی خیال میں

دل و نظر کا دائرہ بھی مستقل نہیں رہا
ادھر ادھر بکھر چکا، خیال ہی خیال میں

ترا وجود پا گیا، میں خود سے دور آ گیا
ہوا عجیب سلسلہ خیال ہی خیال میں

دماغ و دل کا فاصلہ ہمارے درمیان تھا
سو طے کیا یہ مرحلہ خیال ہی خیال میں

بھنور میں بادبان اور ہوا کا رنگ دیکھ کر
کدھر گیا ہے ناخدا خیال ہی خیال میں

یہ کیا ہوا؟ کہ کھو گیا ہے کوئی خواب میں
رسا ہوا ہے نارسا خیال ہی خیال میں

ترا سراغ مل سکا نہ عرش پر نہ فرش پر
نہ ابتدا، نہ انتہا، خیال ہی خیال میں

حنوط کر دیا گیا ہوں سوچتے ہوئے کہیں
جمود ہے نہ ارتقا خیال ہی خیال میں

زباں پہ میرے دل کی بات آتے آتے رہ گئی
ادا ہوا ہے مدعا خیال ہی خیال میں

نظر نظر میں تو نے میرے دل پہ مہر ثبت کی
میں کر چکا تھا فیصلہ خیال ہی خیال میں

اداس کر کے بے سبب، حضور! یوں نہ جائیے!
خموش سی ہے التجا خیال ہی خیال میں

نہیں نہیں، چلا نہیں گیا مجھے وہ چھوڑ کر
ملا ہے کوئی بے وفا خیال ہی خیال میں

کوئی گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا سامنے
لبوں سے میں نے چھو لیا خیال ہی خیال میں

ہوس تو اور بھی کئی دکھا رہی تھی راستے
نظر پہ اکتفا کیا خیال ہی خیال میں

وہ دیکھنے میں جسم تھا مگر کوئی طلسم تھا
بدن سے ماورا کیا خیال ہی خیال میں

حدود سے گزر گیا کسی کا ہاتھ تھام کر
کیا ہے جرم بارہا خیال ہی خیال میں

سپردگی میں بندگی دوام تھی ، دوام ہے
یہ فرض بھی ادا کیا خیال ہی خیال میں

کوئی تو حرف نقش ہو برائے ہمدمِ سخن
ارید کی ہے کیمیا خیال ہی خیال میں

عجیب سا خیال تھا خیال ہی خیال میں
ترا خیال ہی رہا خیال ہی خیال میں

خیال ہی خیال میں تمام فیصلے ہوئے
میں تو ہوا، تو میں ہوا خیال ہی خیال میں

مجھے بھی آسمان سے پرے کی جستجو پڑی
بنا لیا ہے راستہ خیال ہی خیال میں

محبتوں کی بات چل رہی تھی خواب زار میں
سمٹ رہا تھا فاصلہ خیال ہی خیال میں

یہ داستاں نہیں مرا فسانہء حیات ہے
بیاں کیا ہے ماجرا خیال ہی خیال میں

اتر رہی تھی روشنی بدن کے آفتاب سے
سجی ہوئی تھی اپسرا خیال ہی خیال میں

یہ دل کا شہر ہے یہاں محبتوں کا راج ہے
کوئی نہیں ہے مسئلہ خیال ہی خیال میں

نظر میں رنگ آ گیا، خوشی کا ڈھنگ آ گیا
برس گئی کوئی گھٹا خیال ہی خیال میں

ہوا اسیر ہے یہاں پہ کھڑکیاں بھی بند ہیں
جلا رہا ہوں بس دیا خیال ہی خیال میں

سو میں نے دل نکال کر کسی کے ہاتھ رکھ دیا
نہ طے ہوا یہ مرحلہ خیال ہی خیال میں

مٹا دیے ہیں درمیاں سے فون کے یہ سلسلے
سدا رہے گا رابطہ خیال ہی خیال میں

کوئی رِدا اس میں رہے، مرے وجود میں رہے
بنا رہا ہوں دائرہ خیال ہی خیال میں

عروسۂ خیال کا وجود باحجاب ہے
سو کر لیا ہے تخلیہ خیال ہی خیال میں

تری نظر سے دیکھنے لگا ہوں اپنے آپ کو
الٹ گیا ہے زاویہ خیال ہی خیال میں

محبتوں بھری غزل ہے سانس کی ردیف پر
ملا رہا ہوں قافیہ خیال ہی خیال میں

کوئی سرائے خواب سے نکل، مراد پا گیا
کسی کا کھیل ہی رہا خیال ہی خیال میں

یہ آنکھ جو چھلک پڑی ہے چاند دیکھتے ہوئے
بپا ہوا ہے زلزلہ خیال ہی خیال میں

یہ وحشتیں یونہی نہیں وجود سے لپٹ گئیں
بچھڑ گئی ہے فاختہ خیال ہی خیال میں

یہ زندگی کا کھیل ہے، محبتوں کا میل ہے
سنبھال دل کو صاحبہ! خیال ہی خیال میں

یہ فلسفہ گری ترے شعور سے ہے ماورا
سو ہمدمِ وجود آ، خیال ہی خیال میں

وقت گزرا، سوچ پر پہرہ بٹھا، جالا لگا
گھر کے دروازے پہ جیسے رہ گیا تالا لگا

روشنی کے رنگ سارے آئنے میں آ گئے
چاند چہرہ مسکرایا ، نور کا ہالہ لگا

دھوپ نگری میں عجب احساس نے چونکا دیا
جسم ناپا تو مجھے سایہ مرا بالا لگا

غم گساری کرنے والے کی نگاہِ عام سے
یوں لگا جیسے دلِ صد چاک پر بھالا لگا

عام چہرے بھی تجھے اچھے دکھائی دیں کبھی
آنکھ پر عینک نہیں اخلاص کا آلہ لگا

خون میں بہتے ہوئے حرفِ نمو کی دیر تھی
سرخ آنکھوں میں کوئی کھلتا ہوا لالہ لگا

رنگ ہی بدلا ہوا تھا، تیرگی تھی شہر میں
جس کو دیکھا روشنی میں وہ بدن کالا لگا

خوش خرامی تھی میسر، ہم نے دل بہلا لیا
نرم جھونکے کی طرح وہ برف کا گالہ لگا

لیک و یو سے دور جیسے اک جہاں آباد تھا
جھیل میں اترا ہوا منظر بنی گالہ لگا

آن بیٹھا ہے جو میرے گھر پرانے پیڑ پر
یہ پرندہ تو مجھے احساس میں پالا لگا

ضبط ایسا تھا کہ آنکھیں مسکرانے لگ گئیں
ہر چمکتا اشک مجھ کو سنگ میں ڈھالا لگا

آج پھر وحشت ہوئی ، مجھ پر جنوں طاری ہوا
آج پھر سارا نظامِ دل تہ و بالا لگا

کیا کہوں میری نمائندہ غزل ہے کون سی
جو کہا تجھ پر وہی مصرع بہت اعلیٰ لگا

کچھ نہ کہہ ، خاموش رہ ، ہمدمؔ فضائے جبر ہے
کیمرہ ہر موڑ پر ہے دیکھنے والا لگا

کیا اور کریں دل کی عبادت کے علاوہ
سیکھا ہی نہیں کچھ بھی محبت کے علاوہ

تعبیر کے دوزخ سے کہاں آنکھ ملائی؟
دیکھا ہی نہیں خواب کی جنت کے علاوہ

ترتیب میں لانی ہے یہ بے رنگ محبت
جنگل میں بڑا کام ہے وحشت کے علاوہ

ہم جان ہتھیلی پہ رکھے در پہ کھڑے ہیں
بس حکم کریں آپ نصیحت کے علاوہ

اس کارِ جنوں خیز سے فرصت نہیں ملتی
یہ عشق طریقت ہے شریعت کے علاوہ

تجھ سے نہ نمو ہے ، نہ مری کوزہ گری ہے
کیا خاک کریں تجھ میں زراعت کے علاوہ

قربان مری جان ! تری ایک ہنسی پر
دل کش سی ادا ہے جو مسرت کے علاوہ

میں شہرِ محبت کی اسیری میں رہا ہوں
قبضہ ہے ترا مجھ پہ حکومت کے علاوہ

بے کار سے لمحے مجھے بے زار کیے ہیں
کچھ کام نہیں مجھ کو فراغت کے علاوہ

آسیب ہے یا جبر کا سایہ ہے دلوں پر
اس شہر میں کیا اور ہے دہشت کے علاوہ

اس گردشِ دوراں کے سوا اور بھی غم ہیں
ہر چیز مصیبت ہے، مصیبت کے علاوہ

لے دے کے یہی چشمِ تماشا ہی ملی ہے
کیا دیکھ رہا ہوں میں حقیقت کے علاوہ

یہ لوگ سخن ساز ہیں، الفت کے عدو ہیں
کچھ بانٹ نہیں سکتے ہیں نفرت کے علاوہ

یہ پیار کا سودا ہے جو ڈھونڈے نہیں ملتا
احساس بھی درکار ہے قیمت کے علاوہ

دریا ہوں مرا رنگ زمانے سے جدا ہے
صحرا بھی مجھے تکتے ہیں پربت کے علاوہ

ایسا بھی نہیں ہے کہ میں گھر چھوڑ چکا ہوں
یہ نقل مکانی تو ہے ہجرت کے علاوہ

احساس کی خوشبو ہے کہ سرمایہء جاں ہے
یہ خاص تعلق ہے جو قربت کے علاوہ

لہجے میں ترے اور کوئی بول رہا ہے
الفاظ بھی نا ٹھیک ہیں لکنت کے علاوہ

جی جان سے حاضر ہوں سرِ شہرِ تمنا
ارمان کوئی اور بھی حسرت کے علاوہ

تعدیل مرے جسم کی احساس نما ہے
منفی ہوا جاتا ہے جو مثبت کے علاوہ

تجھ کو میں کسی اور طرح دیکھ رہا ہوں
آئینہء جاں ہے تری صورت کے علاوہ

احساسِ جمال اور ذرا حسنِ خیال اور
کیا اور حوالہ نہیں عورت کے علاوہ

یہ کیسی کمائی ہے کہ میں خرچ ہوا ہوں
ہر چیز میسر ہوئی فرصت کے علاوہ

ہمدؔم جیسے قرطاس پہ رکھے ہوئے تم ہو
یہ حرفِ سخن کیا ہے ریاضت کے علاوہ

دُھند آنکھوں سے چھٹے اور خرابی نکلے
آ بھی جاؤ کہ مری خواب سرابی نکلے

زرد پھولوں سے بھی گلشن میں بہار آتی ہے
یہ ضروری تو نہیں صبح گلابی نکلے

کوئی تعبیر کی تعلیم نہیں دیتا مجھے
خواب سارے ہی مرے غیر نصابی نکلے

چند لوگوں کے رویے سے مجھے چین ملا
جن کو با ہوش سمجھتا تھا، شرابی نکلے

اک ترا غم کہ زمانے سے جدا ٹھہرا ہے
غمِ جہاں بھر کے مرے نام حسابی نکلے

گردشِ وقت نے گھیرا ہے بہت عرصے سے
اس قضیے سے مری جان شتابی نکلے

بے حسی ہے کہ مرے شہر پہ سایہ کوئی
اس خرابے میں سوالی نہ جوابی نکلے

سجدہء دل سے مری آنکھ چھلک جانے تک
کام کتنے ہی محبت میں ثوابی نکلے

پال رکھے ہیں کبوتر ہی سبھی ماؤں نے
کون اقبال کا شاہین عقابی نکلے

کِن ہواؤں نے تجھے عرصۂ گل چھیڑا ہے
سرخ آنچل سے کئی رنگ حجابی نکلے

میرے دریاؤں نے کس دشت کو سیراب کیا؟
کس کی آنکھوں سے مرے اشک سحابی نکلے

گاؤں سے آیا ہوا سائیں بڑا مرشد تھا
شہر کے لوگ مگر سخت وہابی نکلے

عشق تیرا ہی نہیں پار لگا ہے سوہنی!
عشق میں کتنے گھڑے اور چنابی نکلے

نطق میرا ہی نہ ہنگامۂ دوراں ٹھہرا
لوگ کتنے ہی سرِ عام خطابی نکلے

خاک اڑتی ہے جہاں اپنا قدم رکھتے ہیں
جن کو نسبت ہے علیؓ سے وہ ترابی نکلے

برف پڑتی ہے تو ہجرت پہ اتر آتے ہیں
یہ پرندے بھی مضافات کے آبی نکلے

اب کسی رنگ سنورنے کا ہنر ہو مجھ کو
اب کسی طور مری خانہ خرابی نکلے

یہ الگ بات کہ جاگیر نہیں رکھتے تھے
رکھ رکھاؤ میں مگر ہم بھی نوابی نکلے

آئنہ دیکھ، صحیفے کی طرح پڑھتا ہوں
ایک صورت ہی مگر عین کتابی نکلے

بال چہرے پہ شرارت سے بکھر جاتے ہیں
کن خیالوں سے تری نیم حجابی نکلے

دل کی دھڑکن سے ترے نام کا مصرع لکھوں
نغمہ ءِ جاں سے کوئی تان ربابی نکلے

دِل کا تالا ہے محبت سے کھلے گا ہمدَم
کیسے ممکن ہے کسی اور سے چابی نکلے

لوگ کہتے ہیں محبت کی زباں بولتا ہوں
مجھ میں تُو بول رہا ہے، میں کہاں بولتا ہوں

میری آباد تمناؤں کا مسکن تو ہے
شہر کو شہر نہیں، کوچہء جاں بولتا ہوں

میں نے سیکھا ہے محبت سے گزارش کرنا
ٹھہر، خاموش ذرا! شہرِ اماں! بولتا ہوں

دعوتِ عشق مری اصل عبادت ٹھہری
دل کے دربار میں دیتا ہوں اذاں، بولتا ہوں

میرے الفاظ بدلتے نہیں معنی اپنے
بول سکتا ہوں وہاں پر، جو یہاں بولتا ہوں

کیسی دنیا؟ مجھے رکھتی ہے منافق بھائی!
کیسی دنیا کو میں یوسفؑ کا کنواں بولتا ہوں

آگ پھیلے گی تو پھر سب کو جلا ڈالے گی
جب بھی اٹھتا ہے کسی گھر سے دھواں، بولتا ہوں

غیر کے در سے اٹھائی نہیں مٹی میں نے
اپنی دھرتی سے جو پائی ہے فغاں، بولتا ہوں

سب تری زرد فضاؤں سے نکل آئیں گی
جن بہاروں کے بھروسے پہ خزاں! بولتا ہوں

کھول دیتا ہوں معانی میں بیاں سے پہلے
کر کے سینوں پہ کوئی رمز عیاں بولتا ہوں

میں نے لاریب حقیقت پہ یقیں رکھا ہے
توڑ دیتا ہوں سبھی وہم و گماں ، بولتا ہوں

دل پہ لگتی ہے نہ سینے پہ اثر کرتی ہے
ایسی آواز کو میں شورِ سگاں بولتا ہوں

کون سنتا ہے؟ یہاں ذوقِ سماعت ہی نہیں
بولتے رہنے کو بس جی کا زیاں بولتا ہوں

جب بھی آواز لگاتا ہے کھلونے والا
ایسے ٹھیلے کو محبت کی دکاں بولتا ہوں

تیرے دریا کی روانی کا سہارا لے کر
خود کو بہتے ہوئے پانی پہ مکاں بولتا ہوں

لفظ خاموش نہیں رکھتا، کبھی کاغذ پر
جس قدر بھی ہے مرا زورِ بیاں، بولتا ہوں

مجھ کو تلوار چلانا نہیں آتی لیکن
ہاتھ آتا ہے یہی حرفِ کماں، بولتا ہوں

مجھ کو لکنت نہیں ہوتی کہ زباں پر سچ ہے
اپنے لہجے کو میں رکھتا ہوں رواں، بولتا ہوں

یہ الگ بات مری جان پہ بن آتی ہے
دشمن جاں کو مگر جانِ جہاں بولتا ہوں

جانتا ہوں میں قبیلے کی روایت کیا ہے؟
ایسے ویسے کو فلاں ابن فلاں بولتا ہوں

صرف اپنی ہی سنائے نہیں جاتا ہمدمؔ
پہلے تو سنتا ہوں، میں بعد ازاں بولتا ہوں

احساس کے پردے سے نمودار سحر ہے
ہر خواب کی تعبیر، مرا پیار سحر ہے

ہر آنکھ اجالے کی تمنا میں لگی ہے
ہر ایک حسیں خواب کا معیار، سحر ہے

پھر وقت کے سورج کو بدن پیش کیا ہے
دوکانِ شب ہجر ، خریدار سحر ہے

یہ جنگ اندھیروں کو سحر فام کرے گی
خورشید لیے ، بر سرِ پیکار سحر ہے

کھلتی ہے مری آنکھ تری خاص نظر سے
تجھ پر نہ پڑے آنکھ تو بے کار سحر ہے

یہ ہجر کا دریا ہے ہمیں ملنے نہ دے گا
اس پار مری شام تو اُس پار سحر ہے

سورج نے درِ عشق پہ اک سجدہ کیا اور
ہے شام کا بازار ، عزادار سحر ہے

امید کی کشتی ہے بہاروں کے سفر پر
ویران جزیروں پہ شجر کار سحر ہے

اک میں ہی نئے دن کی تمنا نہیں رکھتا
مطلوب ہوں میں ، میری طلب گار سحر ہے

میں تلخیِ ایام سے گھبرا نہیں سکتا
انکار اگر شب ہے تو اقرار سحر ہے

اک پل بھی اندھیرے میں گزارا نہیں میں نے
کہتے ہیں جسے نیند مرے یار سحر ہے

سورج کے نکلنے کا تماشا ہوا لیکن
سرحد کے نہ اِس پار نہ اُس پار سحر ہے

سورج نے لبِ بام عجب دھوپ سے دیکھا
آنگن میں کھلا چاند، ضیا بار سحر ہے

یہ حسنِ مجسم ہے مرے شعر کا ساماں
زلفیں ہیں تری شام تو رخسار سحر ہے

شبنم نے ہر اک برگ کو گل زار کیا ہے
سبزہ ہے لبِ زار، ثمر بار سحر ہے

یوں بادِ صبا اور کھلے پھول کا ملنا
موسم کی اداؤں میں طرح دار سحر ہے

ہم لوگ چراغوں کی طرح جلتے رہیں گے
ظلمت کو مٹائے گا یہی دارِ سحر ہے

خاروں میں کسی پھول کا کھلنا ہی بہت ہے
کلیوں سے جھلکتی ہوئی مہکار سحر ہے

اک اور کڑی ٹوٹ گئی ظلمتِ شب کی
زنداں میں یہ زنجیر کی جھنکار سحر ہے

یوں ہی تو ریاضت کا صلہ مل نہیں سکتا
ہر سچی محبت پہ سزاوار سحر ہے

ہر روز گزرتی ہے نیا روپ دکھا کر
کس گردشِ ایام سے دوچار سحر ہے

چہرے پہ دھنک رنگ چھپائے نہیں چھپتا
کس خواب کا عالم ہے کہ سرشار سحر ہے

پلکوں پہ رکھے ہاتھ مجھے دیکھ رہی ہے
میں سونے لگا نیند سے بے دار سحر ہے

دل یاد کے سورج سے اترتا نہیں ہمدمؔ
مدت سے مرے گھر میں لگاتار سحر ہے

عشق میں جتنا وصل کمایا، کافی ہے
اک دوجے کو جتنا پایا ، کافی ہے

شوق میں دنیا ہی کیا جان بھی لٹتی ہے
جتنا اپنا آپ گنوایا ، کافی ہے

دل کا حال سنانے سے کیا مل سکتا؟
سب نے اپنا دل بہلایا ، کافی ہے

ورنہ میری منزل اور ٹھکانہ کیا؟
تیری جانب لوٹ کے آیا، کافی ہے

پیڑ کٹے اور شہر کی زینت بنتے گئے
پتہ پتہ کام تو آیا ، کافی ہے

ایسے کون کسی کا ساتھ نبھاتا ہے
سنگ رہا ہے اپنا سایہ، کافی ہے

جس کی خاطر دنیا سے لڑ سکتا ہوں
اپنا ہے بس ایک پرایا ، کافی ہے

میں نے اپنی چھت پر دانہ ڈالا تھا
ایک پرندہ لوٹ کے آیا ، کافی ہے

مجھ کو دنیا کی دولت سے لینا کیا؟
تو ہے میرا کل سرمایہ ، کافی ہے

محفل میں یوں اپنا حال سنانے کو
تو نے میرا شعر سنایا ، کافی ہے

کانٹوں میں بس اتنا ہی کر سکتے تھے
پھولوں نے گلشن مہکایا ، کافی ہے

سب نے اپنا اپنا حصہ ڈالنا تھا
ہم نے اپنا دیپ جلایا ، کافی ہے

دن بھر آنکھ ملائے رکھی سورج سے
شام ڈھلی تو اشک بجھایا ، کافی ہے

کشتی اتنا بوجھ کہاں سہہ سکتی تھی
خود کو کیا تفریق ، گھٹایا ، کافی ہے

آنے والا آئے تو آسانی سے
رستے میں پلکوں کو بچھایا ، کافی ہے

تیرے میرے بیچ کوئی پردہ تو نہیں
تجھ کو اپنا راز بتایا ، کافی ہے

اللہ نے بس ایک فریضہ سونپا تھا
بچوں کو بس علم سکھایا ، کافی ہے

ایسے ہی میں ساری عمر بتاؤں گا
دل میں تیرا دھیان سمایا، کافی ہے

سب نے اپنے اپنے دل کی باتیں کیں
ہم نے اپنا رنگ جمایا، کافی ہے

میں نے تیرا نام لیا تھا اپنوں میں
تو نے میرا مان بڑھایا ، کافی ہے

دیکھ ! مجھے تو اتنا یاد نہ آیا کر
تیری یادوں کو سمجھایا کافی ہے

خود سے آنکھ ملانا کتنا مشکل تھا؟
آئنہ دیکھا ، شرمایا ، کافی ہے

ورنہ سارا علم نصابی تھا ہمدؔم
تو نے مجھ کو عشق پڑھایا ، کافی ہے

دل مرا اوبھ گیا، ظرف اناؤں سے بھرا
کس خرابے نے مرا جسم بلاؤں سے بھرا

ایک پل کو بھی دیا جلنے نہیں دیتا کوئی
شہر کا شہر لگا تند ہواؤں سے بھرا

تیرے ہونے سے سنورتا ہے سنہرا موسم
دھوپ میں روپ ترے حسن کی چھاؤں سے بھرا

گاؤں گاؤں کی ثقافت سے سجی ہیں سڑکیں
شہر میں رنگ مرے گوٹھ گراؤں سے بھرا

آبلہ پائی تھی، کفِ دشت پہ سنت ٹھہری
ہجر کا زخم تھا چلتے ہوئے پاؤں سے بھرا

روک سکتی ہیں کہاں شہری بلائیں رستہ
میرا گاؤں ہے دعا کرتی ہوئی ماؤں سے بھرا

کوئی کردار مگر ہاتھ نہ آیا پھر بھی
لاکھ لوگوں نے کہانی کو وفاؤں سے بھرا

شکریہ! خواب کے جنگل سے نکل کر تو نے
گنبدِ دل کو محبت کی صداؤں سے بھرا

کون الجھی ہوئی سوچوں کو رفو کرتا ہے
میرا دامن ہے کئی چاک قباؤں سے بھرا

کس کو معلوم نہیں، تیری خدائی کیا ہے؟
اے خدا! کس نے زمانے کو خداؤں سے بھرا

پیش منظر ہے مرے وہم و گماں سے آگے
میں نے دیکھا ہے وہ آئنہ خلاؤں سے بھرا

شعر بس شعر نہیں کیف کی دنیا ہے میاں!
سوچتے سوچتے میں کتنی فضاؤں سے بھرا

پھر کسی اور کو رستہ نہ دیا پانی نے
بعد موسیٰؑ کے رہا نیل عصاؤں سے بھرا

روح جنت ہے جسے حمد سے آباد کیا
جسم دوزخ ہے جسے ہم نے غذاؤں سے بھرا

جس کو جنت سے نکالا مرے مولا تو نے
تیرا دوزخ اسی انساں کی خطاؤں سے بھرا

حسنِ معنی تو ترا حسنِ تخیل ٹھہرا
دل میں اشعار کی صورت ہے اداؤں سے بھرا

آنکھ منظر کے کلیجے میں اتر جاتی ہے
دیدۂ دل ہے مرا خواب سراؤں سے بھرا

میری جھولی میں کہاں لعل و گہر تھے ہمدؔم
میرا کاسہ تو فقیروں کی دعاؤں سے بھرا

کیا تماشا ہوا تیسری آنکھ سے
مجھ کو دیکھا گیا تیسری آنکھ سے

میری تصویر کا تیسرا رخ بھی ہے
دیکھیے تو ذرا تیسری آنکھ سے

بے کراں تا کراں ہم سفر ہو گیا
آئنہ کیا ملا تیسری آنکھ سے

میں نے خود سے خدا تک سفر کر لیا
راستہ مل گیا تیسری آنکھ سے

کس بصیرت سے دیکھا گیا ہے جہاں
ساری دنیا جدا تیسری آنکھ سے

یہ بھنور تو کنارے پہ لانے کو ہے
دیکھ ، موجِ بلا ! تیسری آنکھ سے

میری آنکھوں کی فطرت پہ جانا نہیں
کوئی شکوہ ، گلہ تیسری آنکھ سے

یہ فریبِ نظر ہے ، حقیقت نہیں
کون دیکھے بھلا تیسری آنکھ سے

خواہشوں کے سرابوں نے دھوکہ دیا
ہو گئی ہے قضا تیسری آنکھ سے

دوسری آنکھ سے تو نے دیکھا مجھے
میں ترا ہو گیا تیسری آنکھ سے

دونوں آنکھوں سے آنسو رواں ہیں مگر
کر رہا ہوں دعا تیسری آنکھ سے

روشنی نے دیے سے پکارا مجھے
آ رہی ہے صدا تیسری آنکھ سے

آسماں پر لکیریں سی کھنچتی گئیں
نقش بنتا گیا تیسری آنکھ سے

اک نظر پیار سے تیرگی مٹ گئی
جل اٹھا ہے دیا تیسری آنکھ سے

آگہی کا سمندر مرے دل میں ہے
چل نکل سا حلا! تیسری آنکھ سے

مسئلہ تھا محبت کا حل ہو گیا
ہو چکا فیصلہ تیسری آنکھ سے

کس قدر خوب صورت ہے سارا جہاں
دیکھتا جا دلا ! تیسری آنکھ سے

آئنے سے مری آخری جنگ تھی
میں اکیلا لڑا تیسری آنکھ سے

یہ بصیرت کے اندھے سنور جائیں گے
خواب ہمدمؔ دکھا تیسری آنکھ سے

تخلیہ ہو نہیں رہا، کوئی ہے
جانتا ہوں، مرے سوا، کوئی ہے

آنکھ کھلتی ہے کس کی دستک پر
اے چراغِ سحر! بتا! کوئی ہے

اک پرانی گلی کے کونے پر
کون رہتا ہے، اس جگہ، کوئی ہے؟

نامکمل ہے دل کا افسانہ
داستاں میں رکا ہوا کوئی ہے

یہ زمانہ کدھر روانہ ہوا؟
دل کی منزل کا راستہ کوئی ہے

کب؟ کہاں؟ کیوں؟ کسی سے ہوتی ہے
اس محبت کا فلسفہ کوئی ہے؟

میں تو اپنا بھی خیر خواہ نہیں
پوچھتے کیا ہو؟ کیا مرا، کوئی ہے؟

کون آنکھیں ملا کے بات کرے
اپنے جیسا بھی ہم نوا کوئی ہے؟

ابتدا ہے تری نگاہوں سے
اس عقیدت کی انتہا کوئی ہے

دستکیں تھیں اداس کھڑکی پر
آ رہی تھی کوئی صدا، کوئی ہے

میرے جیسے ہزار دنیا میں
تیرے جیسا کوئی ہوا ؟ کوئی ہے؟

جس کو دیکھے سے آہ نکلی تھی
پوچھتا پھر رہا تھا آہ ! کوئی ہے؟

کون دریا کا رخ بدلتا ہے
میری کشتی کا ناخدا کوئی ہے

یوں ہی کہتے ہو شعر یا ہمدم
دل کو اچھا لگا ہوا ، کوئی ہے

دُھوپ میں کھلتا ہوا چہرہ بہت اچھا لگا
چھاؤں سے میں نے اسے دیکھا بہت اچھا لگا

چاند کی تصویر تھی یا آئنہ تھا سامنے
دیر تک میں نے اسے سوچا بہت اچھا لگا

یوں تو سر سے پاؤں تک وہ زندگی کا رنگ تھی
مسکرا کر دیکھنا اس کا بہت اچھا لگا

چھن رہی تھی روشنی بن کر محبت کی نظر
جھیل آنکھوں پر سجا چشمہ بہت اچھا لگا

ایک عرصے سے مری شامیں بہت ویران تھیں
ہاتھ اس نے پیار سے تھاما بہت اچھا لگا

دھوپ اور چھاؤں کا منظر بھی سنہرا خواب تھا
جسم سے لپٹا ہوا سایہ بہت اچھا لگا

چھو گئی بادِ صبا جیسے کلی کو پیار سے
اس جبین ناز پر بوسہ بہت اچھا لگا

گفتگو ہونے لگی خوشبو بھرے لہجے کے ساتھ
سرخ ہونٹوں پر کھلا غنچہ بہت اچھا لگا

بے خودی میں رکھ دیے بے چین لب تصویر پر
خواب کی تعبیر پا لینا بہت اچھا لگا

دیکھتے ہی دیکھتے یوں دل ہمارے مل گئے
دھڑکنوں کا اس طرح ملنا بہت اچھا لگا

وہ خیال و خواب کی صورت سہی لیکن مجھے
اپنے دل کا حال کہہ دینا بہت اچھا لگا

سیلفیاں لیتے ہوئے وہ مسکرائی اس طرح
کیمرے کی آنکھ سے دیکھا بہت اچھا لگا

وہ سراپا شاعری ہمدمؔ غزل کا روپ تھی
شعر اس کو دیکھ کر لکھا بہت اچھا لگا



دِل کے آئین میں ترمیم نہیں کر سکتا
اپنی مٹی کو میں تقسیم نہیں کر سکتا

اپنے اجداد کی تاریخ بتا دیتا ہوں
جھوٹ بچوں کو میں تعلیم نہیں کرسکتا

دونوں آنکھوں سے برابر نظر آتا ہے مجھے
اس تماشے کو میں دونیم نہیں کرسکتا

دیکھ لیتا ہوں، محبت سے دکھا دیتا ہوں
خواب تو خواب ہیں تجسیم نہیں کرسکتا

میرے الفاظ خموشی کی زباں جانتے ہیں
ہم سخن سنگ ہیں، تکلیم نہیں کر سکتا

کیا ستم ہے کہ وہ سالار بنا پھرتا ہے
چند لوگوں کو جو تنظیم نہیں کر سکتا

دل کی ہر بات بتا دینا ضروری تو نہیں
خاص باتوں کو میں تعمیم نہیں کر سکتا

آئینہ سب کو پرانا ہی نظر آتا ہے
پیش منظر کو نیا تھیم نہیں کر سکتا

چاہے کتنا ہی مقدس نہ ہو کیوں ظلم کا ہاتھ
جوئے خوں ناب کو تسنیم نہیں کر سکتا

شرط رکھی ہے زمانے نے یزیدوں جیسی
سر کٹا کر بھی جو تسلیم نہیں کر سکتا

حرف کھولوں تو سماعت کی زمیں کانپتی ہے
اپنے الفاظ کی تفہیم نہیں کر سکتا

میرے لہجے میں کھنکتا ہے کسی کا لہجہ
حرف یونہی تو میں تجسیم نہیں کر سکتا

تیرے ابرو کے اشارے پہ جیے جاتا ہوں
اس سے بڑھ کر تری تعظیم نہیں کر سکتا

کب دھڑکتا ہے؟ مچلتا ہے، تڑپ اٹھتا ہے
دل کی تاریخ کو تقویم نہیں کر سکتا

کون منزل سے مجھے دور لیے جاتا ہے
ایسے راہ بر کو میں تسلیم نہیں کر سکتا

جن کے ملنے کا ہو انداز نہ ملنے جیسا
ایسے لوگوں کی میں تعظیم نہیں کر سکتا

چاک دامن ہوں، نہ جبہ ہے نہ شملہ کوئی
کج کلاہوں کی میں تکریم نہیں کر سکتا

جانتا ہوں کہ ادب کیا ہے؟ قرینہ کیا ہے؟
ایسے ویسے کی میں تحریم نہیں کر سکتا

اپنی اوقات میں رہنے کا سبق سیکھا ہے
کاٹ کر نون کو میں جیم نہیں کر سکتا

حمد کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی لکھا سجتا ہے
اس سے بڑھ کر تو ثنا میم نہیں کر سکتا

یہ فریضہ بھی نبھاتا ہوں میں دل سے ہمدمؔ
بس محبت پہ میں تقدیم نہیں کر سکتا

خیال و خواب کی لو ہے مکان سے باہر
حقیقتوں کا جہاں ہے گمان سے باہر

نظر کی شست نشانے پہ ٹھیک بیٹھے گی
بس ایک تیر کھنچے گا کمان سے باہر

تو کیا مکان کو اپنے مکیں سے خطرہ ہے؟
کھڑے ہوئے ہیں محافظ مچان سے باہر

فضائے قرب کی حدت میں ایسا جادو ہے
اٹھے گا کون بدن کی اٹھان سے باہر

سنا ہے اس پہ بھی قدغن لگائی جا رہی ہے
یہ فصلِ گل جو رہی ہے لگان سے باہر

یہ بال و پر مرے اپنے نہیں پرائے ہیں
وگرنہ رہ نہیں سکتا اڑان سے باہر

ثنا کے بعد محمد ﷺ کی نعت ہے لاریب
عطائے ذکرِ محمد ﷺ بیان سے باہر

زبان پاک ہوئی ہے سماعتوں کے بعد
لیا ہے نام محمد ﷺ اذان سے باہر

شعورِ عصر پہ لازم کہ اردو عام کرے
نکل رہا ہے زمانہ زبان سے باہر

ہمارے بیچ تو اپنا خیال بھی نہیں ہے
نکل گیا ہے کوئی درمیان سے باہر

اک آسماں کی بلندی ہے اور بس ہم ہیں
قدم پڑے ہیں زمیں کے نشان سے باہر

مرے شعور کو پروا نہیں خوشامد کی
یہ اپنے آپ نکلتا ہے شان سے باہر

مرا وجود تری یاد سے بھرا ہوا ہے
میں ایک پل نہیں رہتا ہوں دھیان سے باہر

سخن وری کا تقاضا تھا اس لیے ہم نے
ربابِ وقت کو چھیڑا ہے تان سے باہر

میں کوہِ خواب سے یوں ہی اترنے والا تھا
ابل پڑا کوئی چشمہ چٹان سے باہر

میں اپنے شہر سے ہجرت کے باوجود ہمدؔم
نکل سکا نہ پرانے مکان سے باہر

مٹی سے بنا کر مجھے مسجود کیا ہے
صد شکر خدا کا، جسے معبود کیا ہے

یہ کیا کہ جسے منزلِ مقصود کیا ہے
اس نے ہی مری ذات کو محدود کیا ہے

بے کار کسی اور مسافت میں الجھ کر
خود اپنی طرف راہ کو مسدود کیا ہے

احساس پہ چھایا ہے وہ خنّاس کی مانند
پڑھ پڑھ کے تعوذ جسے مردود کیا ہے

ظالم ہے اسے قابل دستار نہ سمجھو
خواہش کے پجاری نے جو معبود کیا ہے

یک رنگ حقیقت سے چمکتا ہوا چہرہ
آئینۂ جاں: شاہد و مشہود کیا ہے

وہ نقش جو قرطاس پہ کھنچتا چلا جائے
حرفِ دل و جاں سے اسے محمود کیا ہے

میں ایسی محبت میں تڑپ بھی نہیں سکتا
کس رنگ میں لا کر مجھے محدود کیا ہے

اک عمر زمانے کے جھمیلوں میں گنوا کر
لے دے کے تجھے گوہرِ مقصود کیا ہے

جنگل کے خداوند نے آسیب کی صورت
وحشت کا دھواں آتشِ نمرود کیا ہے

تو محور و مرکز ہے مری زندہ دلی کا
مجھ کو ترے احساس نے مسعود کیا ہے

آواز پرندوں کو مرے دل سے ملی ہے
لہجے کو عجب نغمہ ء داؤد کیا ہے

کس آنکھ نے دیکھا کہ مجھے آگ لگادی
کس نے مرے جذبات کو بارود کیا ہے

بندوں کی محبت سے میں پہنچا ہوں خدا تک
کہتے ہیں عبادت جسے بہبود کیا ہے

ہر خواب کی تعبیر کو تصویر میں لا کر
آئینۂ دل گوشہ ء موجود کیا ہے

ورنہ میں ریاضی میں تو ناکام نہیں تھا
بس کارِ محبت ہے جو بے سود کیا ہے

کس حرفِ ملامت نے مجھے سحر میں لا کر
خود اپنی نگاہوں میں ہی مردود کیا ہے

وہ روشنی اتری کہ دکھائی نہیں دیتا
دو چار چراغوں کو ہی بے دود کیا ہے

کتنے ہی جگر سوختہ جلتے ہیں جہاں میں
کس کس کو میاں عشق نے نابود کیا ہے

قسمت کی لکیروں سے الجھتے ہوئے ہمدمؔ
ملبوس نہیں دل شکن آلود کیا ہے

کھلتا ہوا گلاب تھا، صبحِ جمال دیر تک
آتا رہا کلی کلی ، تیرا خیال دیر تک

آئینہ ء جمال میں تھے ہم خیال دیر تک
اپنی مثال آپ تھے وہ بے مثال دیر تک

کل رات ؛ ایک چاند نے، خوابوں کی جھیل پار کی
موجوں نے دل کی ناؤ کو رکھا اچھال دیر تک

ثابت ہوا کہ وقت پر سمجھا نہیں گیا ہمیں
یوں ہی دکھا رہے تھے ہم ، اپنا کمال دیر تک

میلہ تو ختم ہو گیا، لیکن نشہ نہیں گیا
دل پر اثر کیے رہی، کیسی دھمال دیر تک

چڑیوں کا شور تھم گیا، جھینگر خموش ہو گئے
ڈیرے پہ سرخ شام کا دیکھا زوال دیر تک

آنسو مرے یونہی نہیں، پتھر کا آئینہ ہوئے
ٹھہرا ہے آنکھ آنکھ میں گہرا ملال دیر تک

اہلِ ہوس! نہ ڈھونڈیے! کھوئے ہوئے مقام کو
رہتا ہے کب جہان میں؟ جاہ و جلال دیر تک

آنکھوں میں اب تو خواب کا، امکان تک نہیں رہا
ہم نے سہا ہے جبر میں، کیسا وبال دیر تک

تو نے انا کی جنگ میں مجھ کو شکستِ فاش دی
میں نے بھی تجھ کو عشق میں رکھا نڈھال دیر تک

میں تھا کہ اپنے آپ سے باہر نکل کھڑا ہوا
کہتا رہا، کوئی مجھے، خود کو سنبھال ! دیر تک

تو نے بھی اک چراغ کو رکھا ہوا تھا بام پر
آتا رہا مجھے بھی جاں، تیرا خیال دیر تک

کوئی بھی اشک حرف کی دہلیز پر نہیں جھکا
آنکھوں میں تیرتا رہا کوئی سوال دیر تک

آپس کی بات خواب تک محدود رہ نہیں سکی
پوچھا کیے ہیں فون پر ہم دل کا حال دیر تک

سورج کا لمس جسم کی حد سے نکل نہیں سکا
دیکھا نہ خاک میں کبھی ایسا ابال دیر تک

سانسوں کے انگ انگ میں خوشبو تری اتر گئی
میں بھی رہا وصال میں ہمدؔم نہال دیر تک

سورج کے ساتھ ساتھ بدلنے کا وقت ہے
ظلمت کی خواب گاہ سے نکلنے کا وقت ہے

آنکھیں دھلی ہوئی ہیں چراغوں کی آگ سے
شب ہو چکی تمام ، اجلنے کا وقت ہے

غیروں کی رہ گزر پہ نہ گاڑی چڑھائیے
یہ وقت اپنی راہ پہ چلنے کا وقت ہے

چھوٹی اکائیوں پہ اٹکنے لگی سوئی
شاید یہی گھڑی کو بدلنے کا وقت ہے

دھڑکن پہ ہو رہی ہے محبت کی گفتگو
قربت ہے اور دل کے مچلنے کا وقت ہے

وہ آگ ہے کہ خاک اڑا دے گی جسم سے
بجھتے ہوئے چراغ کے جلنے کا وقت ہے

ورنہ یہ گردِ راہ کسی کام کی نہیں
اٹھو، چلو، یہی تو سنبھلنے کا وقت ہے

یخ بستگی کے شہر میں آنکھیں کھلی رکھو
پتھر کے سرد خواب پگھلنے کا وقت ہے

آتش فشاں پھٹے گا اسی جبر سے میاں!
کوہِ انا میں خاک ابلنے کا وقت ہے

بندر لڑیں گے دیکھنا چھوٹی سی بات پر
کچھ دیر اور ان کے اچھلنے کا وقت ہے

کاغذ پہ اپنی جون میں کچھ تھوکتے چلیں
ورثے میں جو ملا ہے ، اگلنے کا وقت ہے

مٹی کو چھوڑ چھاڑ فلک پر نہ کیوں چلیں
کایا کلپ ہے ، نور میں ڈھلنے کا وقت ہے

جدت کھڑی ہوئی ہے روایت کے بام پر
رزقِ سخن پہ حرف کے پلنے کا وقت ہے

گلشن ہے سازگار نہ مالی پہ اعتبار
دستِ صبا سے پھول مسلنے کا وقت ہے

حیرت ہے تم تو آج بھی دشمن کے دوست ہو
یہ مارِ آستیں کو کچلنے کا وقت ہے

قرطاس پر لہو کے شرارے نمو کریں
ہمدم خیال و خواب غزلنے کا وقت ہے

آئینۂ جاں خواب سے منسوب کیے ہے
وہ آنکھ مرے نقش کو محبوب کیے ہے

میں قریۂ ادراک کے زنداں میں پڑا ہوں
احساس کی دنیا مجھے مصلوب کیے ہے

چاہا بھی بڑے چاؤ سے، چاہا بھی گیا ہوں
یہ عشق مجھے طالب و مطلوب کیے ہے

اک لہر محبت کی گزاری گئی دل سے
اک جذبِ دروں جسم کو مجذوب کیے ہے

اشکوں کی روانی ہے کہ روکے نہیں رکتی
غم آب و ہوا شہر کی مرطوب کیے ہے

میں دل کے ترنم سے غزل کہنے لگا ہوں
یہ کون محبت مرا اسلوب کیے ہے

دنیا میں وگرنہ مرا جی لگتا ہی کب تھا؟
یہ کھیل تماشا ہے جو مرغوب کیے ہے

کھائے چلا جاتا ہے کسی جبر کا سایہ
آسیب کوئی خون کو مشروب کیے ہے

دریا کی طرح دل بھی سمندر کی طلب میں
سرکش ہے جو ہر سوچ کو معتوب کیے ہے

یوسف ہے کوئی مصر کے بازار میں تنہا
ہجراں میں کوئی گریہ یعقوب کیے ہے

مجھ سے تو کبھی اپنی پرستش نہیں ہوتی
یہ کام کوئی اور بہت خوب کیے ہے

ورنہ میں کسی جنگ میں ہارا تو نہیں ہوں
اک دستِ انا ہے کہ جو مضروب کیے ہے

تیشہ ہے مرے پاس نہ پتھر کا زمانہ
کیوں وقت سے مجھے عشق کا مندوب کیے ہے

میں تیری محبت میں کسی کی نہیں سنتا
یہ عیب مری ذات کو معیوب کیے ہے

اَنعمتَ علیھم کا یقیں چاہیے مولا!
اوہام کا رستہ مجھے مغضوب کیے ہے

ہمدؔم یہ سخن کب سے مجھے ورثے میں ملا تھا
غالبؔ سے شناسائی ہے جو مغلوب کیے ہے

دیکھی جو ایک فلم ''ستارے زمین پر''
پڑتے نہیں ہیں پاؤں ہمارے زمین پر

دیکھا ہے آسمان کا چہرہ دھواں دھواں
کس نے مرے چراغ اتارے زمین پر

صدیاں لگیں گی ان کے حساب و کتاب میں
ہم نے بھی چند پل جو گزارے زمین پر

کچھ دیر آسمان سے آگے پڑاؤ تھا
کچھ دیر ہم نے پاؤں پسارے زمین پر

وحشت کے واسطے کوئی گہرا خلا بھی ہو
کوئی تو آسمان اتارے زمین پر

ہنگامۂ خیال اٹھانے کی دیر تھی
پاگل ہوئے جنون کے مارے زمین پر

جو کچھ بھی ہو رہا ہے، فلک نے بپا کیا
اپنے نہیں رہے ہیں اجارے زمین پر

میلی نظر سے دیکھنے والوں کی راہ میں
گرتے ہیں آسماں سے شرارے زمین پر

سب کچھ تو آسمان کی جانب رواں کیا
اب کیا کریں گے جان سے ہارے زمین پر

ہم پر قضا و قدر کا پچھلا حساب تھا
کم ہو سکے نہ ہم سے خسارے زمین پر

اس بحرِ کائنات کا کوئی سرا نہیں
یوں ہی بنا لیے ہیں کنارے زمین پر

حیرت ہے لامکاں کے پرندے نے کس طرح
اڑنے کو بال و پر بھی سنوارے زمین پر

یہ رنگ ، نور ، ابر ، ہوا ، خاک اور نم
کتنے ہیں زندگی کے اشارے زمین پر

ہمدؔم نئی اڑان کی خواہش لیے ہوئے
سانسوں نے بھر دیے ہیں غبارے زمین پر

خواہش کا آسمان ہے دل کی زمین پر
دیکھا ہوا جہان ہے دل کی زمین پر

پرواز کر رہے ہیں محبت کیے ہوئے
بے بال و پر اڑان ہے دل کی زمین پر

خوابوں کا ایک گھر ہے نگاہوں کے آس پاس
چھوٹا سا خاکدان ہے دل کی زمین پر

دیوار و در نہیں ہیں، سو پتھر تو آئیں گے
شیشے کا سائبان ہے دل کی زمین پر

بے خود کیا ہوا ہے نگاہوں کی پیاس نے
کس کی طرف یہ دھیان ہے دل کی زمین پر

جو کچھ ملا ہے ظرف مطابق مجھے ملا
یہ آن بان شان ہے دل کی زمین پر

اک میں ہوں ، ایک تو ہے وفا کی تلاش میں
دونوں کا امتحان ہے دل کی زمین پر

جیسے کسی نظام کے اندر نہیں ہوں میں
یہ کون حکمران ہے دل کی زمین پر

دریا کی موج ! کشتی ڈبونے سے باز آ
میرا تو بادبان ہے دل کی زمین پر

میلہ لگا ہوا ہے بدن کے نواح میں
دربارِ خواجگان ہے دل کی زمین پر

یہ عشق تو ازل سے ہمارا خمیر ہے
صدیوں کی داستان ہے دل کی زمین پر

یہ کون بولتا ہے؟ مری شاعری کے بیچ
یہ کون ہم زبان ہے دل کی زمین پر

شہرِ خیال و خواب کا محور کہیں جسے
اک شخص میری جان ہے دل کی زمین پر

سیڑھی پہ چڑھ رہا ہوں بہت سوچ کر مگر
پہلا ہی پائدان ہے دل کی زمین پر

تکبیر کی صدا ہے، محبت، سنو! چلو!
ہمدؔم یہی اذان ہے دل کی زمین پر

کھلا ہوا تھا خواہشوں کا آسماں کہاں کہاں
مری زمین ہوگئی بلائے جاں کہاں کہاں

وفا کی سرزمین سے کوئی شجر اٹھا چلیں
رہے گا سر پہ زندگی کا سائباں کہاں کہاں

گھروں سے دور کر دیا ہے رزق کی تلاش نے
بکھر گیا ضرورتوں میں خانداں کہاں کہاں

دلوں کے بیچ فاصلے مٹائے مٹ نہیں رہے
انا کا موڑ آ چکا ہے درمیاں کہاں کہاں

کبھی تو اپنی آنکھ سے مجھے بھی دیکھنا تو ہے
رہے گی مجھ پہ چشم ناز مہرباں کہاں کہاں

ہمی سے اس جہان میں محبتیں دوام ہیں
ملیں گے زندگی میں ہم سے قدرداں کہاں کہاں

بنا کے خال و خد مرے کسی وجود میں رکھو
اٹھاؤں گا میں چاک سے یہ خاکداں کہاں کہاں

وہ بادشاہ بیٹھتا ہے دل کی بارگاہ میں
جبیں تلاشتی رہی ہے آستاں کہاں کہاں

ملے ہوئے ہیں بام و در مرے تمام شہر سے
جلے گی آگ تو اٹھے گا یہ دھواں کہاں کہاں

یہ کیمرے کی آنکھ تو فریب ہے، سراب ہے
بھٹک رہی ہیں سیلفیوں میں لڑکیاں کہاں کہاں

کسی نے پھول توڑ کر سجا دیے ہیں میز پر
مچل رہی ہیں لان میں یہ تتلیاں کہاں کہاں

درونِ ذات بھی وہی ، برونِ ذات بھی وہی
وہ ہم قدم، وہ ہم سخن، وہ ہم زباں کہاں کہاں

خیال و خواب کی طرح سراب سے گزر گیا
یقین میں بدل گیا مرا گماں کہاں کہاں

فروغِ حسنِ حرف سے سخن شناس کر گیا
چراغِ ہمدمؔ جہاں ہے ضوفشاں کہاں کہاں

حسنِ کشمیر کہیں اور بھی ہو سکتا ہے
دل کے پنجاب میں لاہور بھی ہو سکتا ہے

آئینہ کیا ہے؟ پسِ آئینہ منظر کیا ہے؟
اس تماشے پہ ذرا غور بھی ہو سکتا ہے

حدِّ فاصل سے نکلتے ہوئے پاؤں رک جائیں
فیصلہ وقت کا فی الفور بھی ہو سکتا ہے

لوٹ کر آتا نہیں چھوڑ کے جانے والا
اس روایت پہ نیا دور بھی ہو سکتا ہے

ہجرتِ عشق ہے، بے کار نہیں ہو سکتی
دل کے رستے میں کوئی ثور بھی ہو سکتا ہے

زرد ہونٹوں کے تبسم پہ نہ جانا لوگو!
مسکراہٹ میں کوئی جور بھی ہو سکتا ہے

غربتِ حرف پہ خاموش رہیں تو ہمدؔم
بات کہنے کا کوئی طور بھی ہو سکتا ہے

دِل چرانے سے کوئی چور نہیں ہو سکتا
یہ وہ رشتہ ہے جو کمزور نہیں ہو سکتا

اچھی لگتی ہے محبت میں یہ زورا زوری
دل کے چوروں پہ کوئی مور نہیں ہو سکتا

جانا پڑتا ہے کبھی گھر سے بھی ہجرت کر کے
معرکہ ہجر کا اِن ڈور نہیں ہو سکتا

کیسے بندے ہیں جو بن دیکھے گزر جاتے ہیں
مجھ سے تو غیر بھی اِگنور نہیں ہو سکتا

دل سے نکلی ہوئی آواز اثر رکھتی ہے
نالۂ جاں ہے مرا شور نہیں ہو سکتا

کتنے ٹوٹے ہوئے دھاگوں سے الجھ بیٹھا ہوں
ایسا ریشم تو مری ڈور نہیں ہو سکتا

خود پرستی ہے محبت میں کہ کم زوری ہے
حد سے زیادہ میں انا خور نہیں ہو سکتا

اپنی اوقات سے پہلے ہی نکل آیا ہوں
یہ تقاضا، ابھی "ڈور مور" نہیں ہو سکتا

خون تو وقت کی آنکھوں میں اتر آیا ہے
اتنا لبریز کوئی پور نہیں ہو سکتا

فکر تازہ ہو تو مرتا نہیں مصرع ہمدمؔ
حرف زندہ ہو تو درگور نہیں ہو سکتا

مرے جسم و جاں میں رواں لہو، مری شاعری، مری زندگی
یہ شعور و فکر کی آب جو، مری شاعری، مری زندگی

تری صبح سے، تری شام سے، مجھے اذنِ حرفِ دوام ہے
مرا خواب تو ہے خیال تو، مری شاعری، مری زندگی

سرِ حرف تو، پسِ حرف تو، مری روشنی، مری آگہی
تری دھڑکنوں سے ہے گفتگو، مری شاعری، مری زندگی

میں غزل غزل ترے پیار میں، ترے خواب اور خیال میں
مری جستجو، مری آرزو، مری شاعری، مری زندگی

میں ضیائے عکسِ جمال ہوں، میں صدائے موجِ خیال ہوں
میں سفیرِ عالم رنگ و بو، مری شاعری، مری زندگی

یہ دیارِ فکر کا رزق ہے، یہی بندگی، یہی عشق ہے
یہ سخن تو ہے مری آبرو، مری شاعری، مری زندگی

کسی شعر پر کبھی واہ واہ، کسی لفظ پر کبھی ہائے، آہ
یہی کیف ہے، یہی ہاؤ ہو، مری شاعری، مری زندگی

یہ جو حرف حرف کا جام ہے، یہ سخن کدے کا انعام ہے
مرے ہم سخن، مرے ہم سبو، مری شاعری، مری زندگی

میں زیارتِ رخِ آگہی کو کھڑا رہا بڑی دیر تک
سرِ آئینہ رہی روبرو، مری شاعری، مری زندگی

یہ جو پھول ہیں، مرے شعر ہیں، مری فکر ہیں، مرے لفظ ہیں
مرے دل کی بات ہے کو بہ کو، مری شاعری، مری زندگی

تو غزل کا مصرعۂ خاص ہے، مرے نظمیے کی اساس ہے
تجھے لکھ رہا ہوں میں ہو بہ ہو، مری شاعری، مری زندگی

میں پون پون ترے سنگ ہوں، مرے مرشدی! میں ملنگ ہوں
ترے نام ہی سے ہے سرخ رو، مری شاعری، مری زندگی

مرے پات پات میں رنگ تو، مرے برگ برگ میں انگ تو
ہے تری نمود مری نمو، مری شاعری، مری زندگی

کبھی حمد سے ، کبھی نعت سے ، کبھی رمزِ حسن کلام سے
سبھی الجھنوں کو کرے رفو، مری شاعری، مری زندگی

یہ جو فکرِ نو کا جمال ہے ، ترا حسنِ اوجِ کمال ہے
مرے ہمدمِ رہِ آرزو، مری شاعری، مری زندگی

ابھی تو دل کھلونا ہے ، کہو نا ! ہے
ابھی تو پیار ہونا ہے ، کہو نا ! ہے

ابھی خواہش کو پا لینے کی عادت ہے
ابھی ضد کر کے رونا ہے، کہو نا ! ہے

ابھی تو سانس باقی ہے لٹانے کو
ابھی کچھ اور کھونا ہے ، کہو نا ! ہے

ابھی ہم نے کناروں سی محبت کی
ابھی یک جان ہونا ہے، کہو نا ! ہے

ابھی تک آنسوؤں کو تشنگی سمجھے
ابھی دامن بھگونا ہے ، کہو نا ! ہے

ابھی الزام ہے دل چوری کرنے کا
ابھی یہ داغ دھونا ہے ، کہو نا ! ہے

ابھی کھیتی کو پانی ہی لگایا ہے
ابھی اک بیج بونا ہے ، کہو نا ! ہے

ابھی زادِ سفر اپنا ، نہیں پورا
ابھی سامان ڈھونا ہے ، کہو نا ! ہے

ابھی تو بس نظر سے گفتگو کی ہے
ابھی دل میں سمونا ہے ، کہو نا ! ہے

ابھی پھولوں سے اپنی آشنائی ہے
ابھی کانٹا چبھونا ہے ، کہو نا ! ہے

ابھی خاروں پہ رکھے ہی نہیں پاؤں
ابھی ریشم بچھونا ہے ، کہو نا ! ہے

ابھی خوشبو کی طرح رابطہ رکھا
ابھی گجرا پرونا ہے ، کہو نا ! ہے

ابھی تو ہم نے صحرا بھی نہیں چھانا
ابھی تو گھر کا کونہ ہے ، کہو نا ! ہے

ابھی سوہنی ! مدھانی کو نہیں رکھنا
ابھی یہ غم بلونا ہے ، کہو نا ! ہے

ابھی نمکین جذبوں میں حلاوت ہے
ابھی موسم سلونا ہے ، کہو نا ! ہے

ابھی تصویر کا یہ تیسرا رخ ہے
ابھی منظر تکونا ہے ، کہو نا ! ہے

ابھی دریا کا اندازہ نہیں کوئی
ابھی خود کو ڈبونا ہے ، کہو نا ! ہے

ابھی تک ہم قرنطینہ میں بیٹھے ہیں
ابھی یہ ڈر کرونا ہے ، کہو نا ! ہے

ابھی ہم نے اکیلا پن نہیں دیکھا
ابھی ہمدؔم ، کہو نا ! ہے ، کہو نا ! ہے

اور کوئی زندگی کا غم تو نہیں ہے
درد مرے دل میں ترا کم تو نہیں ہے

جز ترے کچھ اور دکھائی نہیں دیتا
مجھ پہ کوئی وجد کا عالم تو نہیں ہے

اور ہی عالم ہے ترے نورِ سحر کا
آج ترے سنگ شبِ غم تو نہیں ہے

حجلہء جاں پر ترا احساس چھا گیا
خواب ترا، ہجر کا موسم تو نہیں ہے

حسن ترا یوں تو نہاں ہو نہیں سکتا
چشمِ جہاں ، دیدہ ٔ محرم تو نہیں ہے

جادو کوئی دل پہ اثر کر نہیں پایا
سحر کوئی کلمۂ اعظم تو نہیں ہے

کون ہے دھمال یہاں ڈالتا ہوا
بیٹ مرے دل کی دمادم تو نہیں ہے

گیت یوں ہی لب پہ ترے آ نہیں سکتے
بول پیا! پیار کی سرگم تو نہیں ہے؟

سانس تری ، جان تری ، دل ترا ہوا
تجھ سے مجھے کوئی مقدّم تو نہیں ہے

آن گرا ہے مری کھڑکی کے سامنے
برگِ خزاں! تجھ میں کہیں نم تو نہیں ہے؟

رنگ گھلے ہیں کسی پاؤں کی ادا سے
چاندنی ہے جھیل میں پونم تو نہیں ہے

دھوپ نے اوڑھا ہے سیاہ رنگ دوپٹہ
عید ہے یہ ماہِ محرم تو نہیں ہے

گھاس اگی ہے مرے زنداں کے بام پر
رنگ ہرا، سبزہ ء پرچم تو نہیں ہے

لمس ملے چارہ گری کے لیے مجھے
زخمِ جگر طالبِ مرہم تو نہیں ہے

پیاس مرے دل کی بڑھا کر چلا گیا
حسن ترا شعلہ ہے، شبنم تو نہیں ہے

دشت مرے آنسوؤں کو چومنے لگا
آنکھ کا پانی ہے یہ زم زم تو نہیں ہے

عشق کی دہلیز پہ میں جھک نہیں سکتا
کوئی یہاں، صاحبِ عالم تو نہیں ہے

لوگ پریشان ہیں کیوں دل کی زمیں پر
خواب کی جنت ہے جہنّم تو نہیں ہے

خوف کا آسیب رگِ جاں میں رواں ہے
جسم کوئی شہر میں بے دم تو نہیں ہے

آبِ رواں ڈھونڈتا ہے تشنگی مری
سندھ سے بچھڑا ہوا جہلم تو نہیں ہے

تحفۂ دل کس طرح میں تجھ کو سونپ دوں
ہاتھ میں پہنا ہوا نیلم تو نہیں ہے

رنگ ترا ریشمی آنچل سے چرا کر
پھول کوئی تجھ سا مجسّم تو نہیں ہے

قوم کھڑی ہے کہاں تنظیم کے لیے
نصف صدی سے یہ منظم تو نہیں ہے

کون گواہی کسی دامن کی یہاں دے
عام سی عورت، کوئی مریم تو نہیں ہے

کس نے مرے درد کو مہمیز کیا ہے؟
دشت کے آہو میں خوئے رم تو نہیں ہے

ہاتھ یوں ہی بندگی میں خود بخود اٹھے
حرفِ دعا نالۂ ہمدم تو نہیں ہے

نظم کیا ہے؟ یہ غزلیہ کیا ہے؟
تو نہیں ہے تو ماہیا کیا ہے؟

سب سے پہلے ہے نام اللہ کا
اسمِ اعظم ہے، تسمیہ کیا ہے؟

دل کی باتیں سلیس ہیں لیکن
کون جانے یہ شعریہ کیا ہے؟

اپنی مٹی کشید سکتا ہوں
رمز کیا چیز؟ کیمیا کیا ہے؟

روشنی خواب سے لپٹنے لگی
طاقچے میں جلا دیا کیا ہے؟

کیا تماشا ہوا؟ دریچے میں
پیش منظر میں رمزیہ کیا ہے؟

کس کی زلفوں سے کھل گیا منظر
موج کیا ہے؟ یہ لہریہ کیا ہے؟

یہ سیاق و سباق، متن ہے کیا؟
تیرے شجرے پہ حاشیہ کیا ہے؟

شہرِ آشوب، حرفِ حاضر ہے
اپنے ہونے کا مرثیہ کیا ہے؟

کھوٹے سکے چلا کے دیکھوں گا
جانتا ہوں کہ رسمیہ کیا ہے؟

ہم سخن ! خامشی میں کچھ تو کہو
بات کیا ہے؟ بیانیہ کیا ہے؟

دائرے کے ردا اس میں رہنا
لوگ دیکھیں گے زاویہ کیا ہے؟

میری نسبت، مرا عقیدہ ہے
رضویہ اور غوثیہ کیا ہے؟

حمدیہ ہو کہ نعتیہ ہمدمؔ
بندگی ہے، یہ تزکیہ کیا ہے؟

یہ نہیں، عبادت بھی تزکیہ سمجھتے ہیں
ہم تو یہ محبت بھی، حمدیہ سمجھتے ہیں

دھڑکنوں کی یہ سرگم زندگی کا نغمہ ہے
اپنے دل کی حالت بھی طربیہ سمجھتے ہیں

لوگ جانتے کب ہیں؟ کون میں ہوں؟ تو کیا ہے؟
تیری میری قربت بھی تشنیہ سمجھتے ہیں

بے حساب ملتی ہے، بے قرار آنکھوں سے
چشمۂ عنایت بھی بادیہ سمجھتے ہیں

توڑ پھوڑ کر خود کو پھر نیا بنا لیں گے
ہم درِ ریاضت بھی کیمیا سمجھتے ہیں

جس کے بعد قسمت میں مستقل وچھوڑا ہو
ہم تو ایسی قربت بھی ہجریہ سمجھتے ہیں

در بہ در بھٹکتے ہیں، گھر تلاشنے والے
دل سے دل کی ہجرت بھی رسمیہ سمجھتے ہیں

میں انہیں دکھاؤں گا آئینہ حقیقت کا
وہ جو میری جنت بھی خوابیہ سمجھتے ہیں

مستقل مزاجی نے ایسا حوصلہ بخشا
ناگہاں مصیبت بھی وقتیہ سمجھتے ہیں

شعر کی حقیقت پر غور ہی نہیں کرتے
لوگ میری چاہت بھی غزلیہ سمجھتے ہیں

وحشتوں کے جنگل سے ایک پل گزر دیکھیں
وہ جو میری خلوت بھی تخلیہ سمجھتے ہیں

خود بخود اترتے ہیں بارگاہِ طیبہ میں
حرف میری نسبت بھی نعتیہ سمجھتے ہیں

بادلوں کے گنجل سے کس کو واسطہ ورنہ؟
زلف کی شرارت بھی لہریہ سمجھتے ہیں

کہہ کے ہم دکھاتے ہیں، سچ کہو! کہ سچ یہ ہے
شعر کی سہولت بھی فکریہ سمجھتے ہیں

بات وہ نہیں ہے جو سرخیوں میں لکھی ہے
متن کی عبارت بھی حاشیہ سمجھتے ہیں

ورنہ ظلمتِ شب سے کب کے بجھ گئے ہوتے
چاند کی سفارت بھی مہریہ سمجھتے ہیں

تو مفاد پر اپنی آن بیچ سکتا ہے
ہم تری سیاست بھی چانکیہ سمجھتے ہیں

دل کی آنکھ رکھتی ہے کیمیائے دیدہ ور
خواب کی حقیقت بھی فرضیہ سمجھتے ہیں

راستہ روایت سے خود بخود نکلتا نئیں
یار لوگ جدت بھی رسمیہ سمجھتے ہیں

کج بلیغ لوگوں کو مسئلہ ہی رہتا ہے
اسم کی فصاحت بھی فعلیہ سمجھتے ہیں

نفس کے پجاری ہیں، ضرب دے کے مثبت کو
حاصل شریعت بھی منفیہ سمجھتے ہیں

عین کی نظر ہو تو، غین تک پہنچ جائیں
آئنے کی صورت بھی شرطیہ سمجھتے ہیں

دل پہ لے کے بیٹھے ہیں بے ثبات دنیا کو
چار دن کی مہلت بھی تصفیہ سمجھتے ہیں

ہم فقیر لوگوں کو زندگی سے کیا مطلب؟
وقت سے بغاوت بھی عشقیہ سمجھتے ہیں

ہجر کی مسافت میں خواب دفن کر آئے
داستانِ فرقت بھی مرثیہ سمجھتے ہیں

دائرے کا پھیلاؤ دیکھ ہی نہیں سکتے
پتلیوں کی حرکت بھی زاویہ سمجھتے ہیں

رمز اور کنایہ ہے عرصۂ سخن ہمدؔم
ہم حروفِ علت بھی شعریہ سمجھتے ہیں

القارعہ! یہ جبر، قیامت سے کم نہیں
بے چہرگی میں صبر قیامت سے کم نہیں

یہ کربلا ہے ٹھہریے! سجدے کا وقت ہے
صبر و رضا میں قصر، قیامت سے کم نہیں

ہم خود اسیرِ حبس کی آغوش میں جیے
گہری گپھا قبر، قیامت سے کم نہیں

محشر سے کم نہیں ہے یہاں نقش کھینچنا
کاغذ پہ کوئی سطر، قیامت سے کم نہیں

پینے کو ایک بوند نہیں اور چشمِ تر
اس تشنگی میں ابر، قیامت سے کم نہیں

مشکل سے داستانِ محبت بھلائی ہے
ایسے میں ذکرِ حشر، قیامت سے کم نہیں

زندہ ہیں آسمان و زمیں کے حصار میں
یہ جبر اور قدر، قیامت سے کم نہیں

لو! رکھ دیا ہے آپ کے قدموں میں دل حضور!
جو کچھ کیا ہے نذر، قیامت سے کم نہیں

محشر بپا کیا ہے جو انساں نے آج تک
کم سے بھی کم، یہ اجر، قیامت سے کم نہیں

نفسانی خواہشات کے مارے جہان میں
ہنگام زیرِ نشر، قیامت سے کم نہیں

نادیدگی کا خوف مسلط ہے ذہن پر
ہمدؔم وبائے عصر، قیامت سے کم نہیں

کس طرح گزاریں گے زندگی وبا کے بعد
ہم کہاں سے لائیں گے روشنی وبا کے بعد

ہم نے خود اسیری میں ،بس خدا کو دیکھا ہے
ہم پہ لازمی ٹھہری بندگی وبا کے بعد

وصل بھی وبا ٹھہرا، لمس بھی قضا ٹھہرا
فاصلہ ضروری ہے ہجر کی وبا کے بعد

حجلہ ء اداسی میں دل جلا کے زندہ ہے
یہ دیا مٹائے گا تیرگی وبا کے بعد

خوف کی گپھاؤں میں دفن کتنے مصرعے ہیں؟
حرف سے عیاں ہوگی آگہی وبا کے بعد

حبس کی فضاؤں میں کچھ ہوا تو رہنے دو
خشک پھول مانگیں گے تازگی وبا کے بعد

دام کھل نہ پائے گا وقت کے اسیروں سے
اور بڑھتی جائے گی بے بسی وبا کے بعد

گھر سے ہم نکلتے ہی لقمہء انا ہوں گے
ہائے ! یاد آئے گی بے خودی وبا کے بعد

سن رہے ہیں ، خود سے ہی معرکہ بپا ہو گا
کیا کوئی نبھائے گا؟ دشمنی وبا کے بعد

لوگ کہہ رہے ہوں گے زندگی نہیں بدلی
جو وبا سے پہلے تھی ہے وہی وبا کے بعد

چاند بھی اکیلا ہے، رات بھی اکیلی ہے
جھیل میں نہائے گی جل پری وبا کے بعد

شہر کے غزالوں پر بند ہیں دریچے بھی
دشت زاد کھولیں گے ہر گلی وبا کے بعد

اب تو خیر گلشن میں وحشتوں کا موسم ہے
پھول میں ڈھلی ہوگی ہر کلی وبا کے بعد

چھیلتے ہی جائیں گے جسم وقت کے ناخن
کیا سے کیا بنا دے گی بے کلی وبا کے بعد

قاف کی فضاؤں میں اڑ رہی ہے صدیوں سے
ہم سے ملنے آئے گی وہ پری وبا کے بعد

بے نقاب چہروں میں کون؟ کس کو ڈھونڈے گا؟
کون کون ٹھہرے گا؟ اجنبی وبا کے بعد

یہ رپورتاژی ہے وحشتی قبیلے کی
لوگ آ کے دیکھیں گے ڈائری وبا کے بعد

کرب ناک منظر نے آئینہ دکھایا ہے
کتنی خوب رو ہو گی سادگی وبا کے بعد

اور ہی فضا ہو گی ، اور ہی ہوا ہو گی
کس جہان جائے گا آدمی وبا کے بعد

آ تجھے دکھائیں گے راستہ محبت کا
کس کے ساتھ ٹھہرے گی ہم رہی وبا کے بعد

فرصتِ میسر کو کیوں نہ زندگی کر لیں
کچھ تو کام آئے گی یہ گھڑی وبا کے بعد

جو بھی آپ نے دیکھا، آئینہ سجا دیکھا
مرشدی! خدا حافظ! ان کہی! وبا کے بعد

پھر نئے زمانے کو سحر میں اتارے گا
سن رہے ہیں آئے گا، سامری وبا کے بعد

قہر کی گھڑی ہو گی ، روم جل رہا ہو گا
کیا کوئی بجائے گا، بانسری وبا کے بعد

قید سے رہا ہو کر بال و پر سنواریں گے
ہم قفس پرندوں نے ٹھان لی، وبا کے بعد

دل پہ سرد مہری ہے یا خزاں کا عالم ہے
پھر ہری بھری ہو گی یہ مری وبا کے بعد

ہجرتوں کے عادی ہیں شہر چھوڑ جائیں گے
اپنے کام آئے گی بے گھری وبا کے بعد

لوگ سحر میں گم ہیں، کیسی لہر میں گم ہیں
رنگ کیا دکھائے گی ساحری وبا کے بعد

خرچ ہو گئے ہمدؔم، کربِ آگہی میں ہم
حرف آشنا ہو گی، شاعری وبا کے بعد

نئے چراغ جلائیں گے ہم وبا کے بعد
پڑے گا دشتِ اسیری میں نم وبا کے بعد

وہ کم وصال بھی آ کر گلے لگائے گا
یہ فاصلے بھی کبھی ہوں گے کم وبا کے بعد

جو خرچ ہوتا ہوا وقت ، یاد رکھا گیا
زمانہ روز منائے گا غم ، وبا کے بعد

یہ دوریوں کی اذیت نہیں ، قیامت ہے
کریں گے لوگ محبت بہم وبا کے بعد

نجات پانے لگے یوں اسیر دنیا کے
نہ زندگی کا قضیہ، نہ غم، وبا کے بعد

شماریات میں ممکن ہے، بے نشاں ٹھہریں
نہ تم رہو گے جہاں میں نہ ہم، وبا کے بعد

یہ زندگی ہے، یہاں حوصلہ ضروری ہے
وہی رہے گا جو رکھتا ہے دم، وبا کے بعد

وفا کریں گے، مٹائیں گے دوریاں دل کی
ملیں گے، آؤ! اٹھائیں قسم؛ وبا کے بعد

فضائے جبر میں دریا بھی خشک ہو گئے ہیں
اٹھے گا دشت سے ابرِ کرم وبا کے بعد

بلا رہا ہے خدا مبتلائے زنداں کو
چلیں گے لوگ بھی سوئے حرم، وبا کے بعد

خود اپنی ذات پہ ہم اعتبار کرنے لگے
خدا کرے کہ رہے یہ بھرم، وبا کے بعد

یہ سام راج کی چھیڑی ہوئی ہے جنگ، سنو!
پھٹے گا ہم پہ معیشت کا بم، وبا کے بعد

ابھی غزال مقید ہیں سبز جنگل میں
اٹھے گا دشتِ محبت سے رم، وبا کے بعد

کیا ہے پینٹ دریچے میں خواب سا چہرہ
دکھائی دیتا رہے صبحِ دم، وبا کے بعد

سنا ہے، وقت کے فرعون پر بھی لرزہ ہے
اٹھائے جائیں گے جور و ستم، وبا کے بعد

نہیں نہیں! یہ زمانہ بدل نہیں سکتا
یہ کیا کہا؟ کہ مٹیں گے ستم وبا کے بعد

وبا گزید ، قرنطینگی سے نکلیں گے
بلند ہوں گے وفا کے علم ، وبا کے بعد

یہ نام ، ذات ، قبیلے کبھی نہیں مٹتے
یہ بت بنیں گے دوبارہ صنم ، وبا کے بعد

مدافعت پہ ہی چلتا ہے زندگی کا نظام
تو کیا رہے گا؟ یہ دم اور خم ، وبا کے بعد

نئی سڑک کے کنارے گلاب ہیں ہمدم
دکھائی دیں گے یہ نقشِ قدم ، وبا کے بعد

ہونٹوں پہ غزل، آنکھ غزالی ترے دم سے
چہرے پہ نمودار ہے لالی ترے دم سے

دالان میں اڑتے ہوئے آنچل کی مہک ہے
پھولوں نے یہ خوشبو بھی نکالی ترے دم سے

اٹھتا ہے ترے دل سے پھڑکتا ہوا مصرع
بجتی ہے بھرے ہال میں تالی ترے دم سے

اوڑھی ہے تری شال مرے خوشۂ دل نے
سرسبز ہوئی خواب کی بالی ترے دم سے

اس عہدِ گریزاں میں تجھے یاد رکھا ہے
کٹ جائے گا یہ وقت و بالی ترے دم سے

دیکھی ہے تری آنکھ سے مہکار شجر کی
تھامی ہے لچکتی ہوئی ڈالی ترے دم سے

ہونٹوں کی حلاوت ہے کہ قربت کا اثر ہے
پی لیتا ہوں چائے کی پیالی ترے دم سے

ہر خواب ترے نام سے آباد رہا ہے
آنکھوں میں رہی خواب خیالی ترے دم سے

یہ نقشِ دمیدہ ہے ترا حسنِ تپیدہ
رخسار پہ آتی ہے گلالی ترے دم سے

ورنہ مجھے لگتا تھا کہ دنیا سے چلا میں
گرتی ہوئی دیوار سنبھالی ترے دم سے

پھر اور کسی چیز کی حاجت نہیں رہتی
بھر جاتی ہے احساس کی تھالی ترے دم سے

تو نے مری رفتار کو مہمیز کیا ہے
یونہی تو نہیں گیند اچھالی ترے دم سے

اوقات سے زیادہ کوئی خواہش نہیں رکھتا
کافی ہے محبت جو کمالی ترے دم سے

ہر دوسری دھڑکن میں ترا نام ہے ہمدؔم
رہتا ہی نہیں دل مرا خالی ترے دم سے

بہ یک نگاہ کئی صورتیں غزل کی ہیں
کہ آئینے سے نئی صورتیں غزل کی ہیں

ہمارا خواب سے رشتہ بہت پرانا ہے
ہزار آئی گئی صورتیں غزل کی ہیں

سخن کو خاص علاقہ ہے اس قبیلے سے
حریمِ حسن زئی صورتیں غزل کی ہیں

چمک رہی ہیں نگاہیں حسین منظر پر
لہو کیا ہے لئی ، صورتیں غزل کی ہیں

لگا رہی ہیں سٹیٹس پہ لڑکیاں جن کو
یہ سیلفیاں بھی نئی صورتیں غزل کی ہیں

پڑھا رہا ہوں محبت جدید لہجے میں
غزل میں کالجئی صورتیں غزل کی ہیں

درونِ سطر کوئی عکس پینٹ کرتا ہوں
نئے نقوش، نئی صورتیں غزل کی ہیں

خلیجِ بحرِ محبت عبور کرتے ہوئے
کنارِ دشت رئی صورتیں غزل کی ہیں

ہوائے گرم اٹھائی چراغِ رفتہ سے
برائے جون مئی صورتیں غزل کی ہیں

یہ خار و خس بھی یہاں سبزگی دکھائیں گے
نئی زمیں میں جئی صورتیں غزل کی ہیں

یہ غیر مرئی جہاں بے کراں تھا پیشِ نظر
ذرا ذرا سی پئی صورتیں غزل کی ہیں

چراغِ حرف جلایا ہے میں نے اپنے تئیں
یہی نہیں کہ تئی صورتیں غزل کی ہیں

مرے سیاق میں زندہ ہے حرفِ آئندہ
دوامِ حرف! حئی صورتیں غزل کی ہیں

تمھارے کام جو آئیں، اٹھا کے لے جاؤ
سخن کیا ہے بھئی! صورتیں غزل کی ہیں

لطیف طرز پہ ہمدم ہوں قافیہ پیما
ردیف میں بھی نئی صورتیں غزل کی ہیں

ایک محبت ناکافی ہے ، ایک محبت اور سہی
دل کی دھڑکن رک جانے تک، عین عبادت اور سہی

ہم نے جو بھی منظر دیکھا، جیسا دیکھا لکھیں گے
آئینے کی زنگاری میں تلخ حقیقت اور سہی

قربت میں بارش کا موسم کتنا اچھا لگتا ہے
سیر شدہ لمحوں کی چاہت، پیار کی دولت اور سہی

میٹھی میٹھی آنچ کا شعلہ جینے کا سامان بنا
مرتے دم تک ساتھ رہے گی، درد کی لذت اور سہی

دل کی دھڑکن دھڑکن تیری، ہر اک سانس میں نام ترا
جسم ہے مٹی میرا، اس پہ حکومت اور سہی

کتنے منظر کھینچتے لیکن آنکھ تماشا زاد نہیں
دل کو اچھی لگنے والی خواب کی جنت اور سہی

خوابوں کی تتلی کے پیچھے ہر پل بھاگنا پڑتا ہے
بچپن سے جو دیکھ رہا ہوں بھولی صورت اور سہی

اہلِ دل ہیں، دل کی خاطر، مرنا بھی پڑ سکتا ہے
سچی بیعت کرتے کرتے، دل کی اطاعت اور سہی

سجدے میں کیا، کیوں، کیسے اور کب کہنا ہے؟ جانے دو
عشق کا اپنا دین دھرم ہے، رسمِ شریعت اور سہی

دامن کھل جانے سے میری وحشت بڑھتی جائے گی
چاک گریباں ہو جانے دو، دشت کی وسعت اور سہی

خود کو بھلا دینے کی عادت اپنے کام بھی آئے گی
ایک سہولت کھو بیٹھے ہیں ، ایک سہولت اور سہی

رمزیں اور کنائے کیسے؟ دھوپ نگر میں سائے کیا؟
سورج حشر اٹھائے اپنا، سر پہ قیامت اور سہی

اپنا گاؤں چھوڑ آئے ہیں، دنیا سے منہ موڑ آئے
بستی بستی، نگری نگری، شہر سے ہجرت اور سہی

ہجر کے راس آجانے پر کیوں؟ وصل قیامت ٹھہرا ہے
ایک مصیبت سے نکلے ہیں ، ایک مصیبت اور سہی

حرف کو صیقل کرتے کرتے تیرے جیسا کر دیں گے
ہم تو ہیں مزدور سخن کے، تھوڑی محنت اور سہی

دشتِ جنوں میں کارِ وحشت کرنا بھی کم پڑتا ہے
اپنا ہے انداز الگ، مجنوں کی روایت اور سہی

اک دوجے کے ہاتھوں اپنی تصویریں کھنچواتے ہیں
ویسے بھی بدنام ہوئے ہیں، تھوڑی شہرت اور سہی

دل سے دل کا رشتہ ہمدم، سب رشتوں پر بھاری ہے
میری چاہت اور نہیں ہے، تیری چاہت اور سہی

سخن کی آڑ سے الجھے ہوئے کواڑ کے ساتھ
غزل کیا تجھے آنکھوں سے چھیڑ چھاڑ کے ساتھ

یہ فصلِ گل تو اگائی گئی ہے تیرے لیے
کسی کے پھول نہیں کھل رہے تھے باڑ کے ساتھ

خیال و خواب میں رکھی ہے ہجر زاد لکیر
بنا لیا ہے محبت کا گھر دراڑ کے ساتھ

کسی کھنڈر سے اٹھایا گیا جدید مکاں
کھنچا ہے خواب کا نقشِ دروں اجاڑ کے ساتھ

فقط یہ چاکِ گریباں نہیں ہے عشق کا حل
علاج ! کچھ تو مرے دل کا؛ چیر پھاڑ کے ساتھ

کسی کی سرد خیالی نے برف اوڑھی ہے
مزاج گرم ہوا ہے کسی کا ہاڑ کے ساتھ

ہم اہلِ عشق ، حدود و قیود رکھتے ہیں
کبھی ہیں دشت کے راہی، کبھی پہاڑ کے ساتھ

یہ شہرِ اہلِ ہوس ہے، سخن فروش میاں !
سو بک رہی ہیں کتابیں یہاں کباڑ کے ساتھ

یہ مافیا کے منافق، رہے کسی کے نہیں
کبھی ملیچھ کے ساتھی، کبھی کراڑ کے ساتھ

یہ چار دن کا تعلق ہے ، پائدار نہیں
سو، چل رہی ہے یہ گاڑی کسی جگاڑ کے ساتھ

وہ جس کے بوجھ سے اٹھتے نہیں خمیدہ بدن
مقابلہ ہے دلوں کا اسی تراڑ کے ساتھ

یہ چیخ حرف کے سینے سے یوں نہیں نکلی
غزالِ دشت پہ جھپٹا ہے شیر دھاڑ کے ساتھ

یہ در یونہی نہیں کھولا چراغ سے ہمدم
کوئی نہ کوئی تعلق تو ہے دراڑ کے ساتھ

سالگرہ پر ایک غزل

صد شکر! شہرِ خواب کی جنت میں کٹ گیا
صد شکر! یہ برس بھی محبت میں کٹ گیا

صد شکر! تیری یاد سے غافل نہیں رہا
صد شکر! صبح و شام عبادت میں کٹ گیا

صد شکر! خوشبوؤں سے محبت کا ایک پل
صد شکر! موجِ گل کی سفارت میں کٹ گیا

صد شکر! تیرے خواب سے نسبت رہی مجھے
صد شکر! وقت خوابِ ریاضت میں کٹ گیا

صد شکر! ہجر میں بھی محبت شدید کی
صد شکر! وصل پیار کی شدت میں کٹ گیا

صد شکر! یہ سفر بھی مبارک رہا بہت
صد شکر! دل سے دل کی رفاقت میں کٹ گیا

صد شکر! جو بھی آنکھ نے دیکھا ہے بے مثال
صد شکر! شوقِ دید نظارت میں کٹ گیا

صد شکر! جان و دل پہ مسلسل بہار تھی
صد شکر! یہ سماں تری چاہت میں کٹ گیا

صد شکر! تیرا ساتھ میسر رہا مجھے
صد شکر! جتنا وقت بھی قربت میں کٹ گیا

صد شکر! دل کی آنکھ میں تنکا نہیں پڑا
صد شکر! سارا وقت بصیرت میں کٹ گیا

صد شکر! ایک پل بھی ہزاروں برس کا تھا
صد شکر! ایک پل جو محبت میں کٹ گیا

صد شکر! تیرے لمس کی روٹھی وجود میں
صد شکر! خوابِ وصل کی ساعت میں کٹ گیا

صد شکر! وقت صبحِ ضیا کا نچوڑ تھا
صد شکر! جو چراغ کی صورت میں کٹ گیا

صد شکر! شین قاف سے الجھا نہیں کبھی
صد شکر! عشق عین کی نسبت میں کٹ گیا

صد شکر! شہرِ فکر کے دامن میں دشت تھا
صد شکر! یہ جنوں کسی وحشت میں کٹ گیا

صد شکر! جو بھی رات تھی، رحمت کی رات تھی
صد شکر! دن بھی رب کی اطاعت میں کٹ گیا

صد شکر! شاخِ حرف بھی ہمدؔم ہری رہی
صد شکر! جذب شعر کی صورت میں کٹ گیا

شہرِ وبا ہے اور مری ذات ، خیر ہو
پیشِ نظر ہے غم کی سیاہ رات ، خیر ہو

امکان کی حدود سے آگے کی بات ہے
محبوب سے ہے پہلی ملاقات ، خیر ہو

یہ وقت اپنا حال بدلنے کا وقت ہے
جدت میں پڑ گئی ہیں روایات ، خیر ہو

ناگفتنی میں کرب سے خوگر زبان پر
اٹھتے ہیں زندگی پہ سوالات ، خیر ہو

خیمے لگے ہوئے ہیں، قیام و طعام ہے
حد سے بڑھی ہوئی ہیں مدارات، خیر ہو

خواہش کی موج خواب کا پندار لے گئی
پانی پہ بہہ رہے ہیں مکانات، خیر ہو

بدلا ہوا گمان ہے دشتِ مزاج میں
اچھے نہیں رموز و کنایات، خیر ہو

گویا کوئی ابال ہماری سرشت ہے
پتھر سے اٹھ رہے ہیں بخارات، خیر ہو

کوئی کلون خود سے ملائے گا پھر مجھے
سائنس دکھا رہی ہے کمالات، خیر ہو

بے چہرگی میں دید کا امکان بھی گیا
باقی ہے ایک حرفِ مناجات، خیر ہو

تاریخ کے ورق سے وہ تہذیب مٹ گئی
تعمیرِ نو پہ شہرِ خرابات ! خیر ہو

کچھ اور ہی صدا ہے پرندوں کے شور میں
اچھی نہیں ہیں ایسی علامات ، خیر ہو

ممکن نہیں کہ دل سے کوئی بات کہہ سکیں
الفاظ سے تہی ہیں خیالات ، خیر ہو

کہنے کے باوجود بھی ہم کچھ نہ کہہ سکے
ہونٹوں پہ رہ گئی ہے کوئی بات ، خیر ہو

اُٹھنے لگے ہیں اتنے سوالات ، خیر ہو
ممکن نہیں ہیں سب کے جوابات ، خیر ہو

لاوہ اگل رہی ہے ترے وحشتی کی خاک
جنگل میں اگ رہے ہیں جمادات ، خیر ہو

ایسا نہیں کہ اہلِ محبت نہیں رہے
زندہ ہیں کچھ وفا کے مقامات ، خیر ہو

ہنگامہ خیز شہر تو خوابوں میں کھو چکا
بے دار ہو رہے ہیں مضافات ، خیر ہو

روٹی کا مسئلہ ہے، کوئی چھین ہی نہ لے
بندر کے ہاتھ میں ہے مساوات، خیر ہو

اچھی ملازمت میں سہولت کے نام پر
زنجیر ہو گئے ہیں مفادات، خیر ہو

صحرا، سراب، تشنہ دلی، خواب اور میں
خطرہ ہیں درج بالا وجوہات، خیر ہو

اس آگہی کی راہ پہ چلنا محال ہے
کھلنے لگے ہیں کشف و کرامات، خیر ہو

ہر پیکرِ خیال میں اوجِ کمال ہے
ہر بات میں چھپی ہے تری بات، خیر ہو

میں شاخ شاخ زرد خزاؤں کی زد میں ہوں
ہائے! یہ میرے پھول، مرے پات، خیر ہو

موج ہوائے شہرِ بلا ، دیکھ ! یوں نہ کر
پھر دے دیا چراغ ترے ہاتھ، خیر ہو

کیا ہم کسی کے دوست یا دشمن نہیں رہے
حملے کا خوف ہے نہ کوئی گھات، خیر ہو

ہمدم نمودِ حرف کشیدہ پہ خوش نہیں
اے ذوقِ شعریات وخیالات ! خیر ہو

یہ رنگ، روپ نکھرتی ہوئی دھنک سے ہے
حسین خواب کا منظر تری جھلک سے ہے

ترے خیال کا موسم نہال رکھتا ہے
یہ میری سبز خیالی تری مہک سے ہے

لپک رہا ہے محبت پہ دل ہمکتا ہوا
مرے جنوں کا تماشا اسی ٹھرک سے ہے

بچھڑتے وقت جسے چوم کر دمکتا ہوں
مری جبیں پہ ستارہ اسی چمک سے ہے

ٹھہر گیا ہے سمندر حسین آنکھوں میں
وفورِ چشمِ تماشا پلک پلک سے ہے

نہیں نہیں کے تکلف سے پیار ملتا ہے
یہ کم وصال تقرّب اسی جھجھک سے ہے

سرک رہا ہے پھسل کر جو ریشمی آنچل
ترا حسین لبادہ اسی ڈھلک سے ہے

ترے خیال میں رہتا ہے بے قرار کوئی
یہ چوڑیوں کا چھنا کا بھی دل کی دھک سے ہے

ثمر کدہ بھی مچلتا ہے شاخِ گل کے ساتھ
یہ رنگِ موجِ بہاراں حسیں لچک سے ہے

یہ سیلفیوں سے جھلکتا ہوا حسیں منظر
دل و نگاہ میں اتری چمک دمک سے ہے

نگاہِ مست سے ٹوٹا ہے تشنگی کا سکوت
یہ دھڑکنوں کا تلاطم اسی چھلک سے ہے

حسین حرف تراشے لطیف لہجے میں
یہ رقص گاہِ تغزل تری تھرک سے ہے

مجھے لبھا نہیں سکتے یہ درہم و دینار
مری خوشی تری آواز کی کھنک سے ہے

سلام! نغمۂ گل ہے، مرا کلام سنو!
مری زبان میں خوشبو، گل فلک سے ہے

مرے ہنر کا تعلق ہے کس علاقے سے؟
مجھے کلام سلگتی ہوئی کسک سے ہے

یہ راستہ مرے کھیتوں سے جا کے ملتا ہے
مرے وطن کی ترقی اسی سڑک سے ہے

میں حرفِ کن سے بنایا گیا پرندہ ہوں
مری زمین پہ پرواز بھی فلک سے ہے

منافقت کے رویے سے ہار جاتا ہوں
مرے عدو کو سہارا تری کمک سے ہے

میں تجھ کو جان چکا ہوں، سو کوئی وہم نہیں
مجھے یقین کا دعویٰ بھی تیرے شک سے ہے

مرے شعور کی بنیاد ہے حسن ابدال
مری اٹھان، مرا سلسلہ اٹک سے ہے

ترے جمال کی لو بھی غزال ہے ہمدمؔ
تمام جستِ تخیل اسی لپک سے ہے

سخن کا باب، مکمل نصاب ہونا تھا
تجھے تو میری غزل کی کتاب ہونا تھا

نقوش سجنے، سنورنے تھے رونمائی کو
پھر اس کے بعد ترا انتخاب ہونا تھا

ترے جمال کی لو پر لپک رہا تھا دل
چراغِ نورِ سحر خواب ہونا تھا

میں ایک عمر سے روشن جبیں کے در پہ رہا
مرے وجود میں کیا؟ ماہتاب ہونا تھا

میں گنگنانے لگا ہوں تجھے غزل کی طرح
مرے لبوں پہ تجھے دستیاب ہونا تھا

اسی پہ نقشِ تحیر کی دھول پڑتی تھی
وہ اک ستارہ جسے آفتاب ہونا تھا

ہمیں بھی کچے گھڑے نے ملا دیا آخر
ہمارے بیچ یہ دریا چناب ہونا تھا

وفا کی بود سے دل کی نمود ہوتی تو
یہ کام اور بھی کارِ ثواب ہونا تھا

خموشی فرض تھی ہمدم کلام سے پہلے
پھر اس کے بعد نظر سے خطاب ہونا تھا

ترے لبوں کا تبسم گلاب ہونا تھا
یہ سرخ رنگ تجھے انتساب ہونا تھا

ہمیں چراغ دکھائے گئے تھے رستے میں
ہمیں بھی خواب محل کا نواب ہونا تھا

وہیں پہ دیدہ ء صحرا نے نم نکالا ہے
زمین دل کو جہاں زیرِ آب ہونا تھا

یہ وہ نشہ ہے جو مر کر بھی کم نہیں ہوتا
خمارِ عشق ؛ پرانی شراب ہونا تھا

ہمارے حال پہ اترا ہے دل لگی کا جنوں
ہمیں بھی عشق ہوا ہے، جناب! ہونا تھا

لپٹ رہا تھا جو آئینہ زاد آنکھوں سے
غبارِ دشت کو آخر سراب ہونا تھا

کبھی مٹی نہ مٹے گی یہ رسمِ وحشتِ دل
اسی جنوں نے بالآخر عذاب ہونا تھا

ہم اہلِ صبر و رضا کے مرید ہوتے گئے
ہمیں غلامِ علی بوترابؓ ہونا تھا

کسی کے دل پہ حکومت کا شوق تھا ہمدمؔ
ہمیں بھی شہر میں عزت مآب ہونا تھا

عشق کر یا عشق میں ناکام ہو کر شعر کہہ
ماورائے گردشِ ایام ہو کر شعر کہہ

اپنے لہجے میں کسی آواز کا جادو جگا
تو سفیرِ حرفِ گل اندام ہو کر شعر کہہ

یہ ریاضت حرف کے میدان میں کام آئے گی
جان داؤ پر لگا، بے دام ہو کر شعر کہہ

مارے ڈالے گی تجھے تمثال گر! بے پہر گی
صبح سے آنکھیں ملا یا شام ہو کر شعر کہہ

بے خودی اتنی بڑھا، بڑھتی رہے تشنہ دلی
مے کدے سے دور تشنہ کام ہو کر شعر کہہ

غین کا پردہ اٹھا، عین الیقیں سے کشف کر
آگہی میں صاحبِ الہام ہو کر شعر کہہ

فکر کی گرہیں لگا، جدت کنائے سے بڑھا
رمزیہ ہے، شاعرِ ایہام ہو کر شعر کہہ

مطلعِ جاں سے عیاں ہو، منزلوں کی روشنی
یوں غزل آغاز کر، انجام ہو کر شعر کہہ

سادگی میں بات کر ایسی کہ سمجھی جا سکے
طرزِ سہل ممتنع میں عام ہو کر شعر کہہ

لوگ جیسا بولتے ہیں، اس طرح بولی لگا
لفظ گر صیقل نہیں تو خام ہو کر شعر کہہ

حرف کے اجلے دیے جلتے رہیں دیوار پر
زندگی میں روشنی کا بام ہو کر شعر کہہ

فکر کی تازہ کلی احساس میں کھلتی رہے
عشق پرور ! حسنِ دل آرام ہو کر شعر کہہ

کفر کا فتویٰ لگا، ہر شرک کی تقریر پر
توڑ فتنہ ، حجتہ الاسلام ہو کر شعر کہہ

خون دینا لازمی ہے ، شوخیِ تحریر کو
خرچ کر قلب و جگر ، نیلام ہو کر شعر کہہ

اس طرح خود کو ہر اک دل کا نمائندہ بنا
دھڑکنوں کا آخری پیغام ہو کر شعر کہہ

برگ سے خوشبو کشیدہ کر، یہی ہے شاعری
یہ سفارت ہے تری گل فام ہو کر شعر کہہ

تالیاں تجھ پہ بجیں گی، داد بھی مل جائے گی
بات بس اتنی ہے تو بدنام ہو کر شعر کہہ

ہو مریدِ غالبِ خستہ ، یگانہ فکر ہو
شہر یار شعلۂ ہنگام ہو کر شعر کہہ

حسنِ معنی عرصۂ گل فام ہو اقبال سا
اے مرصّع ساز، آتش فام ہو کر شعر کہہ

داغ ہے ہمدؔم تجھے حرفِ تعلّی کا ہنر
شعر کہنا ہے تو بس گم نام ہو کر شعر کہہ

چراغ ہونے سے پہلے جلا رہا ہوں دل
جہاں پہ جان لگے گی لگا رہا ہوں دل

نجانے کیوں مری دھڑکن پہ دم نہیں کرتا
کسی کی راہ میں کب سے بچھا رہا ہوں دل

قبولیت کا وسیلہ یہی دعا ہو گی
ہتھیلیوں کو ملا کر بنا رہا ہوں دل

یہی خلوص بہت ہے تری محبت میں
قیام کرتے ہوئے بھی جھکا رہا ہوں دل

ہمک رہا ہے کوئی جذب میرے سینے میں
سنبھل رہا نہیں مجھ سے، منا رہا ہوں دل

میں ایک شخص کی خاطر سنور کے نکلا ہوں
تمام شہر پکارے، چرا رہا ہوں دل

بنا رہا ہوں میں سیلفی تجھے دکھانے کو
ترے خیال کا منظر، سجا رہا ہوں دل

ہری زمین پہ سورج اجالنا ہے مجھے
یہ کوئی بیج نہیں ہے ، اگا رہا ہوں دل

ہوا کے ہاتھ چراغوں کا ہاتھ دیتے ہوئے
جلا رہا ہوں کبھی میں بجھا رہا ہوں دل

یہ باقیات مرے سوختہ جہاں کی ہیں
بدن کی خاک سمیٹے اٹھا رہا ہوں دل

یہ کرچیاں مری دھڑکن کے اضطراب سے ہیں
یہ آئینہ تو نہیں ہے، دکھا رہا ہوں دل

یہاں کسی بھی مسافر کو گھر نہیں ملتا
عجیب شہر میں رہ کر گنوا رہا ہوں دل

ہمارے بیچ تعلق، یہی تعلق ہے
نظر نہیں ہے مری جاں، ملا رہا ہوں دل

یہ میرے دل کی کہانی ہے، سن ذرا دل سے
غزل کا شعر نہیں میں سنا رہا ہوں دل

یہ پیاس جس نے لگائی، وہی بجھائے گا
پرائی آگ میں کیوں کر جلا رہا ہوں دل

یہ رکھ رکھاؤ فقط وقت کا تقاضا ہے
نبھا رہا ہوں روایت، مٹا رہا ہوں دل

نجانے کون سے خوابوں کی جستجو کی تھی
کس آرزو کی طلب میں لٹا رہا ہوں دل

کچھ اس لیے بھی مروت سے کام لیتا ہوں
کہ تا کوئی نہ کہے، میں دکھا رہا ہوں دل

ذرا سی دیر تجھے دیکھنا ہے بس ہمدمؔ
میں تیرے خواب کی بستی میں لا رہا ہوں دل

نورِ سحر کی شام، لبِ بام؛ چارہ گر!
کوئی حسین خواب، مرے نام؛ چارہ گر!

دھڑکن سنبھال، دل پہ محبت سے ہاتھ رکھ
میں ہوں مریضِ عشق، مجھے تھام؛ چارہ گر!

بہنے لگا رگوں میں نشے کی طرح کوئی
کوئی علاج؟ مشورہ؟ آرام؟ چارہ گر!

اے کم نگاہ! زندگی، تیرے لبوں کی خیر
پھر مسکرا کے دیکھنا، مادام، چارہ گر!

تو بار بار دل کو پرکھتا ہے کس لیے؟
ہیں اور بھی تو درد کی اقسام ، چارہ گر!

اس کا کوئی علاج ؟ کوئی روک تھام ہے؟
سینے سے اٹھ رہا ہے جو ہنگام ، چارہ گر!

دیکھا ہے کس نظر سے تجھے، تو بھی دیکھ لے
آنکھوں کو کر رہا ہوں میں نیلام، چارہ گر!

رہتا ہے دل میں کون مسیحا کے روپ میں؟
وجدان کیا ہے؟ اور کیا الہام؟ چارہ گر!

بس بس! میں جانتا ہوں کہ دل کی لگی ہے کیا؟
بہتان کوئی اور نہ الزام ، چارہ گر!

خوش بو مری تمام تھکن کا علاج ہے
میرے لیے ہے چہرۂ گل فام، چارہ گر!

ایسا نہیں کہ حرفِ تسلی فضول ہے
پڑ جائے گا تجھے بھی کوئی کام، چارہ گر!

پتھر جڑے ہوئے ہیں کہ خوابوں کا نقش ہے
آنکھوں میں دیکھ! آخری پیغام، چارہ گر!

اک دوسرے کا درد سمجھنے کا وقت ہے
میں ہوں طبیبِ خاص نہ تو عام چارہ گر

وحشت پنپ رہی ہے قبیلے کے خون میں
ذوقِ جنوں کسی کا نہیں خام، چارہ گر!

کیا آسمان پر بھی پرندے نہیں رہے؟
کیا تھم چکی ہے گردشِ ایام؟ چارہ گر!

کامل نہیں ہے پیاس، ابھی عشق خام ہے
باقی ہے کوئی زہر، تہِ جام، چارہ گر!

غم ہے مرے لیے نہ ہوں میں مبتلائے غم
لیکن غمِ جہان پہ اقدام، چارہ گر!

میں گردش حیات کے چکر میں آ گیا
کم ہو نہیں رہے مرے آلام، چارہ گر!

ہمدؔم ہے تشنہ کام، نگاہوں سے ایک جام
اے خوش کلام، حسنِ لبِ بام، چارہ گر!

ہمدؔم ترے کلام کی شہرت بری نہیں
کہتے ہیں لوگ تجھ کو سرِ عام چارہ گر

مرے سکوت سے نکلے گی آخری آواز
خلا نورد سنیں گے صدائے پردۂ ساز

سماعتوں میں محبت کے پھول کھلتے ہیں
میں تیرے نام سے کرتا ہوں جب سخن آغاز

پون پون سے لپٹتا ہوا ترا لہجہ
لبوں پہ پھول کھلاتا ہوا حسین گداز

فریبِ حسنِ نظر کے سوا کچھ اور نہیں
دکھا رہا ہوں زمانے کو آئنے کا راز

اِسی بگاڑ سے ترتیب ہے تخیل میں
چراغِ راہ بنیں گے یہی نشیب و فراز

مری تمام تگ و دو مرے قدم تک ہے
نہ کوئی تاگ میسر نہ کوئی شعلۂ تاز

کسی کے ہاتھ میں نقشہ نئی زمینوں کا
کسی کے خواب ہیں کاغذ کی ناؤ، پتنگ، جہاز

خیال و خواب کی تصویر مختلف ہے مگر
چرا رہی ہے مرا دل ادائے غمزہ و ناز

سرائے خواب سے ابھرے گی روشنی کی لو
حسین رات سے نکلے گی صبحِ رنگ نواز

مرے وجود کو اندر سے کاٹتا ہے مگر
میں تیرے ہجر میں زندہ ہوں، یہ مرا اعزاز

جو کوئی دیکھ نہ پائے، دکھائی دیتا ہے
وفورِ شوق تماشا ہے، بس یہی اعجاز

میں اپنے عہد کی تصویر ہو چکا ہمدمؔ
کوئی بھی کر نہیں سکتا مجھے نظر انداز

فضائے جبر سے اٹھتی ہے وقت کی آواز
چراغِ آخر شب سے ہے صبحِ گل انداز

اڑے بغیر پرندے غلام کر لیے گئے
کٹے ہوئے ہیں نئے پر ، سلب ہوئی پرواز

اسیر جشن مناتے ہیں قید خانے میں
بتائے کون؟ کہ بنتا ہے کیا خوشی کا جواز؟

انہیں خبر ہی نہیں ہے کہ بے شجر ہیں وہ
پرائی شاخ پہ بیٹھے ہوئے کئی ہم راز

ابھی تلک وہی زنجیر ہے غلامی کی
سنی نہیں گئی چودہ اگست کی آواز

نجانے کون سی دنیا کی بات کرتا ہے
امیرِ شہر کا چیلا بھی ہے فسانہ طراز

جو سر کٹے ہیں سرِ دار جھک نہیں سکتے
بدل چکے ہیں یہاں پر شکست کے انداز

ہم اپنے ہاتھ سے اپنا وجود کھو بیٹھے
ہمارا حال نمایاں ہوا نہ کل ممتاز

کسی کے سینے پہ تمغہ نہیں شجاعت کا
کہاں کے مردِ مجاہد؟ کہاں کے ہم جاں باز؟

یہ کون لوگ ہیں؟ سرقہ خیال، شاعر لوگ
ادائے غالب و ناصر نہ جن میں خوئے فراز

اندھیری رات میں امید کی کرن، یارب!
کوئی دکھوں کا مسیحا! کوئی غریب نواز!

پیامِ مشرقِ دل ہم سنائیں کیا ہمدمؔ
کوئی زبورِ عجم ہے نہ ارمغانِ حجاز

دِل دھڑکتا ہے مرا فون کی آواز کے ساتھ
بات ہوتی ہے محبت بھرے انداز کے ساتھ

نام لیتا ہے کوئی پیار بھرے لہجے میں
جھوم اٹھتا ہے بدن پھول سے الفاظ کے ساتھ

یہ مرے دل کا علاقہ ہے، ترا شہر نہیں
پر نکلتے ہیں اسی دشت میں پرواز کے ساتھ

تیری خوش بو مرے دالان میں آجاتی ہے
دیکھ لیتا ہوں تجھے صبحِ گل انداز کے ساتھ

چائے کا دور چلا، شام ہوئی، رات کٹی
خواب پرور سے ملاقات رہی ناز کے ساتھ

ایک چہرہ ہے جو سکرین پہ آجاتا ہے
فلم رک جاتی ہے کچھ دیر اسی پاز کے ساتھ

اس نے رونے کا ہنر بھی الگ ایجاد کیا
کاٹ لیتی ہے مرا ہجر کسی پیاز کے ساتھ

نوجوانی میں کوئی فلم نہیں دیکھی ہے
پیار کرتا ہوں تجھے اپنے ہی انداز کے ساتھ

میرے جیسا ہی کوئی اور نظر آتا ہے
آئینہ ہے کہ کھڑا ہوں کسی ہمراز کے ساتھ

ایک لمحہ بھی قیامت کی گھڑی ہو جیسے
زندگی میں نے گزاری ہے تگ و تاز کے ساتھ

آنکھ کھلتی ہے تحیر پہ ٹھہر جاتی ہے
اس فسانے کا بھی انجام ہے آغاز کے ساتھ

شعر میرے کسی کتبے پہ لکھے جائیں گے
مجھ کو دفنائے گی دنیا بڑے اعزاز کے ساتھ

بے خودی ہوش میں آنے نہیں دیتی ہمدمؔ
سحر طاری ہے کوئی حسنِ فسوں ساز کے ساتھ

گم ہوگئی ہے عشق کی فائل ادھر ادھر
بکھرے ہوئے ہیں دل کے مسائل ادھر ادھر

آنکھیں بتا رہی ہیں محبت کا بانکپن
کوئی گلاب رنگ ہے مائل ادھر ادھر

جب سے کسی کے عشق میں مرنے کی ٹھان لی
ہونے لگی ہے زندگی حائل ادھر ادھر

مہتاب سے نکل کے ستاروں کے روپ میں
روشن ہوئے کسی کے خصائل ادھر ادھر

یونہی کسی نے بال سنوارے ادا کے ساتھ
کتنے جوان دل ہوئے، گھائل ادھر ادھر

موسم کے خدّ و خال میں کس کا وجود ہے
مہکی ہوئی ہے حور شمائل ادھر ادھر

احساس کی گلی ہے ولی کے مزار تک
بیٹھے ہیں رہ گزار میں سائل ادھر ادھر

بے ربط سی بیاض میں اشعار کی طرح
خوشبو ہوئی بدن سے حمائل ادھر ادھر

پاؤں بھی اب تو ٹھیک سے پڑتا نہیں کوئی
الجھی ہوئی ہے رقص میں پائل ادھر ادھر

میں نے تو یوں ہی ایک محبت کی بات کی
کتنے ہی لوگ ہو گئے قائل ادھر ادھر

وہ جن کو پڑھ کے ہم نے جوانی گزار دی
ردی میں بک رہے ہیں رسائل ادھر ادھر

جو عین انقلاب میں حجرہ نشیں رہے
اب خاک چاٹتے ہیں رذائل ادھر ادھر

پہلے تو جان بوجھ کے باغی رہا مگر
پھر ڈھونڈنے لگا وہ دلائل ادھر ادھر

تہذیب کے سفر میں وہ فردا گزار ہیں
خانہ بدوش ہیں جو قبائل ادھر ادھر

ہمدؔم اگر کمی ہے تو کردار میں ہے بس
کم تو نہیں ہیں اپنے وسائل ادھر ادھر

اِک خواب کا طواف کیا اور جی رہے
دل عین شین قاف کیا اور جی رہے

احساس کے قفس میں دریچہ نہ تھا کوئی
دیوار میں شگاف کیا اور جی رہے

لپٹا ہوا تھا گرد سے آئینہء خیال
منظر تمام صاف کیا اور جی رہے

جینا پڑا تو زیست پہ کیا کیا دلیل دی
خود سے بھی اختلاف کیا اور جی رہے

ہر بار خودکشی کا ارادہ بدل گیا
ہر بار انحراف کیا اور جی رہے

ناساز گار وقت نے روکا بہت مگر
اک عہد کو خلاف کیا اور جی رہے

تھوڑی سی روشنی بھی غنیمت لگی ہمیں
ہم نے بھی انعطاف کیا اور جی رہے

پیشِ نظر پڑی تھی محبت میں بندگی
کچھ روز اعتکاف کیا اور جی رہے

اک دوسرے سے دور ستاروں کے باوجود
چاہت کا اعتراف کیا اور جی رہے

غم سے خوشی کشید کے جینا کمال ہے
خود پر یہ انکشاف کیا اور جی رہے

قربت کا لمس اوڑھ کے جینا پڑا ہمیں
سردی میں یہ لحاف کیا اور جی رہے

تفریق کی ہے رات سحر کے وجود سے
اک اور دن مضاف کیا اور جی رہے

گم نام زندگی بھی عجب دل فریب تھی
خود کو تہِ غلاف کیا اور جی رہے

لازم کیا تھا دل کو کبھی زندگی کے ساتھ
اونچا یہی گراف کیا اور جی رہے

ہمدؔم ہمارے ہاتھ پہ صدیوں کا قرض تھا
یہ خون بھی معاف کیا اور جی رہے

نظم کے اسلوب سے نکلی غزل ہوتی ہوئی
حرف کی تازہ کلی مہکی سجل ہوتی ہوئی

ایک چہرہ آئینہ در آئینہ کھلتا ہوا
ایک صورت خواب جیسی بے مثل ہوتی ہوئی

جذبہ ء دل گردشِ ایام سے پیکار ہے
زندگی ہے موج کے سینے پہ چھل ہوتی ہوئی

صبحِ دم اچھی لگی خوابوں کی شہزادی مجھے
کیا حسیں تعبیر ہے نعم البدل ہوتی ہوئی

نرم لہجے کی کھنک دل میں اتر کر رہ گئی
ہو گئی منٹھار محبوبہ مٹھل ہوتی ہوئی

چاندنی کا رنگ پھیلا ، کاسنی ہوتا گیا
جھیل سے نیلی پری ابھری کنول ہوتی ہوئی

رک گئے پاؤں مرے کس موج میں؟ کس لاگ میں؟
دل کی دھڑکن تھم گئی کشش ثقل ہوتی ہوئی

ایک لمحے کی محبت بھی صدی سے کم نہیں
زندگی دیکھی خوشی کا ایک پل ہوتی ہوئی

آفتابی حسن دیکھا صبح کی دیوار پر
شام دیکھی ہے تری زلفوں کا بل ہوتی ہوئی

ہجر میں انگارہ ء دل برف پگھلانے لگا
جاگ اٹھی آرزوئے وصل شل ہوتی ہوئی

اک سمندر ہے مرے دل میں سمانے کے لیے
اور میری تشنگی ساحل پہ تھل ہوتی ہوئی

قافلہ دل کا رکا، ٹھہرا، روانہ ہو گیا
دشت میں محسوس کی نقل و حمل ہوتی ہوئی

کس کی آمد نے بدل ڈالا عروضِ زندگی
دیکھ لی بحرِ ہزج بحرِ رمل ہوتی ہوئی

اپنے دل کی آزمائش کے لیے خود سے ملا
اک خلش سی رہ گئی ردِّ عمل ہوتی ہوئی

لکھ رہی ہے زندگی تہذیب کے قرطاس پر
آج سے نکلی ہوئی، تاریخ کل ہوتی ہوئی

کیا کہیں ہمدؔم اسے وہ ہے سراپا شاعری
شعر میں ڈھلتی ہوئی، ضرب المثل ہوتی ہوئی

اٹھا رہا ہے زمانہ سوال، حیرت ہے
نہیں رہا ہے کوئی ہم خیال، حیرت ہے

مری طرح ہے کسی خاک داں سے لپٹا ہوا
یہ آئینہ بھی ہے میری مثال، حیرت ہے

جنونِ عشق تو صحرا کا سلسلہ ہے مگر
کنارِ آب اٹھا ہے ابال، حیرت ہے

سنا تھا، دوریِ منزل سے شوق بڑھتا ہے
یہ کیا؟ کہ ہجر ہوا ہے وبال، حیرت ہے

عجیب مست ہوئے ہیں فقیر میلے میں
پڑی نہیں ہے ابھی تک دھمال، حیرت ہے

تو کیا؟ اسی کو محبت کا رنگ کہتے ہیں
سفید گال پہ مہکا گلال، حیرت ہے

نشاطِ غم سے گزر کر بھی مسکرا نہ سکیں
خوشی کا رنگ رہے پُر ملال، حیرت ہے

الٹ گئی ہیں لکیریں ہمارے ہاتھوں سے
ملا عروج سے پہلے زوال، حیرت ہے

بہت دنوں سے ترستا تھا کس خوشی کے لیے؟
میں دردِ دل سے ہوا ہوں نہال، حیرت ہے

بہت سکون سے لے جا رہی تھی موج مجھے
بھنور میں اور ہوئی ہے اچھال، حیرت ہے

یہ لوگ ساز و ریاضت سے آشنا ہی نہیں
الاپ میں نہ کوئی سر نہ تال، حیرت ہے

شکستہ رنگ، محبت کے خواب کھو کر بھی
سجا رہی ہے وہ مہندی کا تھال، حیرت ہے

یہی فریب رہا کہ مرا عدو کوئی نئیں
مرے خلاف چلا کوئی چال، حیرت ہے

وہ جس نے تیر چلایا تھا میرے سینے پر
وہ چور چور بدن ہے نڈھال، حیرت ہے

یہ سبز رنگ بہاروں کا نقش ہے لیکن
لبھا رہا ہے خزاں کو جمال، حیرت ہے

بغیر جس کے مجھے ایک پل، قیامت تھا
گزر چکے ہیں کئی ماہ و سال، حیرت ہے

جفا سرشت بدل جائے، ہو نہیں سکتا
وہ بن رہا ہے محبت کا جال، حیرت ہے

گھٹائیں چھٹنے لگیں، جو برسنے والی تھیں
بدل گیا ہے کوئی خوش جمال، حیرت ہے

وہ جس کو ہجر بہت راس آ چکا تھا مگر
ملا ہے آج وہی کم وصال، حیرت ہے

یہ دو گھڑی کی مسافت دوام ہے ہمدم
پہنچ گیا ہوں کہاں میں؟ کمال حیرت ہے

دِل کی زمین ہو گئی مسجد قدم قدم
محبوب دیکھتا ہے یہ ساجد قدم قدم

ہو وحدت الوجود کہ ہو وحدت الشہود
دیکھا ہے ہر وجود میں واجد قدم قدم

ہر خواب، ہر خیال سے برتر عظیم ہے
لاریب! کائنات کا موجد قدم قدم

وہم و گماں کے دشت میں دل کا مرید ہوں
ایمان اور یقین ہے مرشد قدم قدم

الحمد ! ہر کمال کا مالک ہے بے مثال
رحمن ہے، رحیم ہے، واحد قدم قدم

یہ بارگاہِ دل ہے یہاں سر جھکا کے چل
دیتے ہیں جان اس پہ مجاہد قدم قدم

میں بھی رہِ سلوک میں تنہا سہی مگر
کیوں روکتا ہے راہ میں زاہد قدم قدم

بس دل کی آنکھ چاہیے دیدار کے لیے
ظاہر خدا کا نور ہے شاہد قدم قدم

ممکن کہاں تھی مجھ سے یہ ابجد حیات کی
حرفِ صدائے کن ہے مشاہد قدم قدم

نقشِ چراغِ عشق مٹایا نہ جائے گا
ظلمت رہے گی نور کی حاسد قدم قدم

محبوب اور محب میں وہ راز و نیاز تھے
بس دیکھتا ہی رہ گیا قاصد قدم قدم

ہمدؔم مرے شعور کو اذنِ کلام ہے
مجھ پر سخن کیا گیا وارد قدم قدم

تمھارا ہونے لگا ہوں، تمھیں خبر بھی نہیں
میں ہوش کھونے لگا ہوں، تمھیں خبر بھی نہیں

یہ کھوئی کھوئی سی آنکھیں ہی مار دیں گی مجھے
میں دل ڈبونے لگا ہوں، تمھیں خبر بھی نہیں

یہ بانجھ سوچ کا بنجر نہال کب ہو گا؟
میں بیج بونے لگا ہوں، تمھیں خبر بھی نہیں

جنوں کی آگ برابر جلا رہی ہے مجھے
چراغ ہونے لگا ہوں، تمھیں خبر بھی نہیں

برائے چشمِ تمنا ، خوشی کے آنسو ہیں
میں ہنس کے رونے لگا ہوں، تمھیں خبر بھی نہیں

یہ کچی نیند جگائے گی رات بھر مجھ کو
اے خواب! سونے لگا ہوں، تمھیں خبر بھی نہیں

میں خار خار محبت کے پھول چنتے ہوئے
کہاں سمونے لگا ہوں؟ تمھیں خبر بھی نہیں

میں حرفِ نو کی لپک سے غزال آنکھوں میں
غزل پرونے لگا ہوں، تمھیں خبر بھی نہیں

سفیرِ شب ہے، مرا غم گسار تکیہ ہے
میں جس پہ سونے لگا ہوں، تمھیں خبر بھی نہیں

ہماری سانس کا محور کوئی غبارہ ہے
سوئی چبھونے لگا ہوں، تمھیں خبر بھی نہیں

مرے وجود پہ بارِ گراں نہیں لیکن
میں ہجر ڈھونے لگا ہوں، تمھیں خبر بھی نہیں

لباسِ عشق نمیدہ ہے چاک دامن سے
یہ داغ دھونے لگا ہوں، تمھیں خبر بھی نہیں

وفا کے شہر میں ہمدَم عجب گرانی ہے
میں خرچ ہونے لگا ہوں، تمھیں خبر بھی نہیں

خوب صورت شام تھی چشمِ سحر انگیز پر
محوِ عرضِ حال تھے ہم دھڑکنوں کی میز پر

اوڑھ! آنچل، سبز دھارے کو بسنتی رنگ دے
پھولتی سرسوں دکھا! پھر خطہء زرخیز پر

کیا کہانی چل رہی تھی تتلیوں کے درمیاں؟
رنگ کھلتے جا رہے تھے غنچہء نوخیز پر

ریشمی تلووں نے روکا ہے سبک رفتار کو
جم گئے نقشِ قدم جلتے ہوئے مہمیز پر

کھول رکھی آنکھ بامِ صبحِ نو کے سامنے
خواب کا بستر بچھا رکھا درِ شب خیز پر

موڈ اچھا تھا مرا ، رومان پرور شہر میں
آ گیا تھا دل مرا بھی حسنِ دل آویز پر

گفتگو میں رکھ رکھاؤ ، پیار کا انداز تھا
مسکراتے رہ گئے ہم حرفِ معنی خیز پر

عشق کا آئین تھا عقدِ محبت کی طرح
دستخط کرتے گئے ہم ایک دستاویز پر

خواہشوں نے سر اٹھا رکھا تھا، وہ ہنگام تھا
دل سنبھلتا بھی تو کیسے جذبِ شر انگیز پر

مسئلہ پانی نہیں ، بود و نمو کی بات ہے
پتھروں میں پھول کھلتے ہیں کہاں کاریز پر

عہد اپنا تو مٹا تھا دوغلے کردار سے
مفت میں الزام ہے چنگیز اور انگریز پر

خامشی بھی ڈھل گئی ہمدم غزل کے روپ میں
شاعری ہوتی رہی کچھ دیر کم آمیز پر

منظر منظر سحر انگیز کیا جائے گا
چلتا پہیہ اور بھی تیز کیا جائے گا

کچی مٹی مہک رہی ہے، پھول کھلیں گے
دل کا غنچہ رنگ آمیز کیا جائے گا

میٹھی نیند سے لپٹی گہری دھند چھٹے گی
آنکھوں کو جب خواب آمیز کیا جائے گا

دریا کاٹ کے دشت میں لایا جا سکتا ہے
گویا بنجر بھی زرخیز کیا جائے گا

تشنہ کام پرندے چھت پر بیٹھے ہیں
خالی برتن کب لبریز کیا جائے گا

کب تک ہم تاریخ کی منزل تک پہنچیں گے
کب تک گھوڑوں کو مہمیز کیا جائے گا

کتنی نسلیں جینے کا تاوان بھریں گی
کتنے شہروں کو خوں ریز کیا جائے گا

تہذیبیں کب ہجرت کرتے دیکھی ہیں؟
کیسے لوگوں کو انگریز کیا جائے گا؟

مصرع مصرع پڑھنے والے یاد رکھیں گے
شعر سخن کی دستاویز کیا جائے گا

دل کی بات زباں تک آتے دیر لگے گی
جب تک ہمدؔم حرف گریز کیا جائے گا

حسین خواب، سنہرے سراب رہنے دو
ہمارے دل کی زمیں پر گلاب رہنے دو

ہمارے بعد ہمارے چراغ جلتے رہیں
ہمارے نام محبت کا باب رہنے دو

خموش رہ کے بھی آنکھیں کلام کرتی رہیں
دل و نظر میں سوال و جواب رہنے دو

بجا! کہ خواب کی جنت کما چکے ہو مگر
مرے لیے کوئی کارِ ثواب رہنے دو

قلم تو چھین چکے انگلیاں قلم کر کے
ہمارے ہاتھ میں کوئی کتاب رہنے دو

کہیں کہیں کوئی نسبت دوام ہوتی ہے
کسی کسی سے پرانا حساب رہنے دو

تمھارے بس میں نہیں ہے کہ مجھ سے پیار کرو
میں کر چکا ہوں محبت، جناب! رہنے دو

تمھیں خبر ہے کہ ہم تشنہ کام کیسے ہیں؟
ہمارے سامنے ذکرِ شراب رہنے دو

چمن اجاڑنے والو! خزاں سے باز رہو
کسی حسین کلی کا شباب رہنے دو

میں اپنے خواب کی تعبیر کے سفر پر ہوں
چراغِ آخرِ شب دستیاب رہنے دو

پڑھا رہا ہوں زمانے کو داستانِ دل
محبتوں کو مرا اہم نصاب رہنے دو

ہمارے بخت کا سورج ابھی نہیں نکلا
ہمارے سر پہ ابھی ماہتاب رہنے دو

کھلے ہوئے ہیں محبت کے خدّ و خال مگر
دلوں کے بیچ مکمل حجاب رہنے دو

کوئی گھڑا کسی سوہنی کے کام آئے گا
وفا کی راہ میں کوئی چناب رہنے دو

میں چپ کدے سے گزرتا ہوا سوالی ہوں
مری خموش لبی لا جواب رہنے دو

یہ بے قرار تعلق سکون دیتا ہے
رہے جو دونوں طرف اضطراب رہنے دو

رکے ہوئے ہیں جو دریا، کہیں نہ دشت ہو جائیں
جو چل رہے ہیں انہیں کامیاب رہنے دو

یہ اپنی آگ میں جلتے ہوئے شرارے ہیں
یہ خوار لوگ ہیں ان پر عذاب رہنے دو

سخن میں حسن کسی کا جمال ہے ہمدمؔ
کسی کے نام غزل ، انتساب رہنے دو

میرے ہونٹوں پہ رواں موجِ غزل رہنے دو
میں سخن زاد شجر ہوں، مرا پھل رہنے دو

ساعتِ وصل مرے خواب کا سرمایہ ہے
میرے دامن میں محبت کا یہ پل رہنے دو

میں نے آنکھوں کے سمندر میں سفر کرنا ہے
مجھ پہ کچھ دیر یہ جادوئی عمل رہنے دو

چاند گھلتا ہوا دیکھا ہے حسیں رنگوں میں
جھیل آنکھوں میں کھلے نیل کنول رہنے دو

مجھ کو کھینچے چلے جاتے ہیں نگاہوں کے سراب
دل کے صحرا کو نہ چھیڑو! اسے تھل رہنے دو

تم تو آئینہ بنانے کا ہنر جانتے ہو
دیکھتے جاؤ ! مجھے سنگِ مثل رہنے دو

میں نے سرسبز بہاروں میں قدم رکھا ہے
میرے احساس کی کلیوں کو سجل رہنے دو

جس قدر سہل گزرتی ہے گزارے جاؤ!
اور پیچیدہ سوالات کا حل رہنے دو

کس نے تعبیر کے چہرے کی زیارت کی ہے؟
جو میسر ہے ملے آج ہی ، کل رہنے دو

دائرے بنتے ، الجھتے ہیں ، بکھر جاتے ہیں
حسن کی رمز ، حسیں زلف کا بل رہنے دو

اپنی جانب مرے چلتے ہوئے پاؤں نہ رکیں
میرے اطراف کوئی نقشِ ازل رہنے دو

آگرہ دل کا نہ ویران میں ہونے دوں گا
میری آنکھوں میں مرا تاج محل رہنے دو

بحرِ ادراک میں بہتی ہوئی رو کہتی ہے
دل کی دھڑکن میں کوئی بحرِ رمل رہنے دو

دِل کے رشتے میں تکلف نہیں ہوتا ہمدؔم
میرے محبوب! مرے یار! مٹھل رہنے دو

بستی بستی ، جنگل جنگل ، پل دو پل کا ساتھ
ہر پل تیری یاد مسلسل ، پل دو پل کا ساتھ

ورنہ تجھ بن ذات ادھوری ، تجھ بن دل ویران
کر دیتا ہے عشق مکمل ، پل دو پل کا ساتھ

دل سے دل تک پیار کا منظر ، ان دیکھی تصویر
پلکوں پر کیا رکھے کاجل ، پل دو پل کا ساتھ

دل کی دھڑکن، سانس کی الجھن، چرخے کا اک پھیر
ریشم کی ڈوری کا گنجل ، پل دو پل کا ساتھ

بھیگی زلفیں، ہونٹ نمیدہ، آنکھیں ابر انگیز
گھور گھٹائیں، برکھا، بادل، پل دو پل کا ساتھ

اجلی دھوپ نکل آئے تو آنکھ ملائے کون؟
روپہلی کرنوں کا آنچل ، پل دو پل کا ساتھ

دل کے سارے سچے جذبے پلکوں پر تحریر
ساتھ نبھانا آنکھوں کے بل، پل دو پل کا ساتھ

آگ لگے گی، پیاس بڑھے گی ہم دونوں کے بیچ
دل کا دریا کردے گا تھل، پل دو پل کا ساتھ

خوشبو مہکے، رنگ دکھائیں دل میں کھلتے پھول
جسم سلگتا کردے صندل، پل دو پل کا ساتھ

خوابوں کی وادی سے گزریں دیکھیں سبز بہار
پیار کے پہلے موسم کا پھل، پل دو پل کا ساتھ

بے خود رستے ، بے کل راہیں ، رکھتی ہیں مخمور
دل دیوانہ، کر دے پاگل ، پل دو پل کا ساتھ

تیرا ساتھ ضروری ٹھہرا، تیرا سنگ علاج
ہجر زدوں کی مشکل کا حل، پل دو پل کا ساتھ

خاروں کو گل زار کیا ہے، زرد خزاں سے دور
پھولوں کے رستے پر دے چل، پل دو پل کا ساتھ

سرد مزاجی ٹھہر گئی ہے ، کہساروں سے پار
برف کی آگ سے کرتا ہے شل، پل دو پل کا ساتھ

صدیوں کا سندیسہ ہے یہ چاہت کا انداز
میری منزل، میرے سانول، پل دو پل کا ساتھ

قربت کے لمحات رکھیں گے دل دنیا آباد
ہوتا ہے کب آنکھ سے اوجھل، پل دو پل کا ساتھ

اس مشکل میں جو پڑ جائے، وہ دل ہے مجبور
ہو جاتا ہے پیار میں دلدل، پل دو پل کا ساتھ

پیاس کا صحرا دریا کر دے ہمدمؔ خواب سراب
دِل کی دھرتی کر دے جل تھل، پل دو پل کا ساتھ

مشتری ہوشیار باش

کتاب کا نام: چراغِ حرف۔

شاعر: ہاشم علی خان ہمدمؔ۔

وضاحت: یہ ہاشم علی خان ہمدمؔ کے کلام کا پندرہواں مجموعہ ہے جسے برقی کتاب کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔

صفحات: ۲۳۲

سالِ اشاعت: مارچ ۲۰۲۴ء

ہدیہ: دعائیں۔

پبلشر: مکتبۂ ارمغانِ ابتسام۔ اسلام آباد، پاکستان۔

برقی ڈاک: itshamdam@gmail.com

ارکائیو ربط: archive.org/details/@nzkiani



ہاشم علی خان ہمدم کا سرمایۂ شعر و سخن

- موجِ کرم (حمد و نعت)
- پانچواں موسم (غزلیات)
- آئینہ سچ بولتا ہے (غزلیات)
- موجِ غزل (طرحی غزلیات)
- محبت کی زبان (طرحی غزلیات)
- دُھوپ کی دیوار (طرحی غزلیات)
- چراغِ فکر (طرحی غزلیات)
- جہانِ خواب (طرحی غزلیات)
- چشمِ تماشا (طرحی غزلیات)
- سراب سے آگے (طرحی غزلیات)
- تیسرے کنارے پر (طرحی غزلیات)
- آدھا سفر (طرحی غزلیات)
- نمودِ سحر (طرحی غزلیات)
- آخری چراغ (غزلیات)
- چراغِ حرف (غزلیات)
- غزل پوش (غزلیات)
- دم (دیوان)
- سبیل کرم (نعتیہ مجموعہ)
- طیبۂ جاں (نعتیہ نظمیں)
- خواب سراب (نظمیں)
- روشنی کے پھول (سلام و مناقب)
- سیلفیاں (مزاحیہ کلام)

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام